آبِ حیات

ابداً ابداً

(اٹھارویں قسط)

''بابا مجھے آپ کو حمین کے بارے میں کچھ بتانا ہے''۔ رئیسہ کی منمناتی آواز پر سالار بیرونی دروازے سے نکلتے نکلتے ٹھٹک گیا تھا۔ اپنے فراک پر لگی ایک تتلی کا پر مروڑتے ہوئے وہ اُس کے عقب میں کھڑی تھی۔۔ وہ اس وقت واک کے لئے نکل رہا تھا اور رئیسہ اُس کو ہمیشہ کی طرح دروازے تک چھوڑنے آئی تھی لیکن اُس کو خدا حافظ کہہ کر دروازہ بند کر لینے کی بجائے اُس نے کچھ سرگوشی نما منمناتی آواز میں سالار سے جو کہا اُس پر سالار کو اچنبھا ہوا تھا۔ وہ کبھی کسی کی شکایت نہ کرتی تھی اور حمین کی شکایت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔۔ وہ حمین کی سب سے بڑی رازداں تھی۔ رئیسہ کے بارے میں یہ امپریشن صرف سالار نہیں اُس کے خاندان کے ہر شخص کو تھا۔ کیوں کہ اُسے حمین کے بارے میں بہت سی وہ باتیں بھی پتا ہوتی تھیں جو گھر میں کسی دوسرے شخص کے علم میں نہیں ہوتیں۔

دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھے سالار نے کچھ غور اور حیرانی سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا ''کیا بتانا ہے؟'' رئیسہ نے جواب دینے کی بجائے پلٹ کر لاؤنج ایریا کی طرف دیکھا جہاں سے حمین کی آواز آرہی تھی۔ وہ امامہ کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ ''کچھ ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں''۔ رئیسہ نے اُسی سرگوشی نما آواز میں سالار سے کہا۔ اس بار سالار نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور دروازہ کھول کر باہر جاتے ہوئے اُس سے کہا "let's go for a walk"۔۔ اُسے اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ گھر کے اندر حمین کے بارے میں بات کرتے ہوئے جھجک رہی تھی۔۔ وجہ جو بھی ہو۔

رئیسہ چپ چاپ اُس کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ موسم انتہائی خوش گوار تھا اور اُن کی رہائشی کالونی کے کچھ اور افراد بھی اس وقت سڑک پر واک کرنے میں مصروف تھے۔ وہ دونوں بھی سڑک کے کنارے سائیڈ واک پر چلنے لگے۔

''تو حمین کے بارے میں تم کیا بتانا چاہتی ہو؟'' پانچ دس منٹ کی واک اور اُس کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ کے بعد سالار نے اُس سے کہا۔ رئیسہ نے فوری طور پر کچھ جواب نہیں دیا، جیسے وہ کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔"I am not sure" اُس نے بالآخر کہا۔ ''کچھ ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں لیکن مجھے یہ نہیں پتا کہ مجھے بتانا چاہیے یا نہیں''۔ وہ ہمیشہ اسی طرح بات کرتی تھی۔ ہر لفظ بولنے سے پہلے دس دفعہ تول کر۔

"You can trust me"۔ سالار نے جیسے اُسے تسلی دی۔"Yes I trust you"، لیکن میں حمین کو ہرٹ بھی نہیں کرنا چاہتی''۔ اُس نے سالار کی بات کے جواب میں کہا۔ ''یہ اُس کا secret ہے اور یہ اچھی بات نہیں ہے کہ میں اُس کا سیکرٹ کسی کو بتاؤں۔ شاید مجھے نہیں بتانا چاہیے"I am still thinking....I am not sure"۔ وہ اب سالار کے ساتھ چلتے ہوئے اس طرح بڑبڑا رہی تھی جیسے خود

کلامی کر رہی ہو۔ کنفیوزڈ ہو یا خود سے اُلجھ رہی ہو۔

سالار نے ساتھ چلتے ہوئے اُسے بہ غور دیکھا۔ وہ کچھ بتانا چاہ رہی تھی لیکن وہ بتانے سے reluctant بھی تھی۔ رئیسہ کا یہ مسئلہ تھا indecisiveness۔۔۔ فیصلہ نہ کر پانا۔ مگر اس وقت سالار اُس کے اس مسئلے پر سوچ بچار کرنے کی بجائے صرف اس لئے حیران اور کسی حد تک فکر مند تھا کہ رئیسہ نے حمین کے بارے میں وہ جو بھی راز تھا اُسے اُس سے شیئر کرنے کا سوچا کیوں؟ کیا اُسے یہ اندیشہ تھا کہ حمین کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے یا پھر یہ پریشانی کہ بعد میں پتا چلنے پر حمین سے وہ اور امامہ بہت ناراض ہو سکتے تھے۔

''ایسی کیا بات ہے رئیسہ؟'' سالار نے اُسے نرم آواز میں بہلانے والے انداز میں کریدا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں کہ حمین کے بارے میں جو بھی بات ہے وہ ایک secret ہی رہے گی۔ میں کسی کو اس کے بارے میں نہیں بتاؤں گا''۔ اُس نے رئیسہ کو کہا۔ وہ متاثر نہیں ہوئی۔ ''بابا آپ حمین سے بہت خفا ہو جائیں گے اور میں نہیں چاہتی''۔ اس بار رئیسہ نے بالآخر اپنے خدشات کا اظہار کھل کر اُس سے کیا تھا۔ سالار کی چھٹی حس نے اُسے سگنل دینا شروع کیے تھے۔ ''میں آپ کو ایک دو دن بعد بتا دوں گی I want to think more about it''۔ رئیسہ نے بالآخر اُس سے کہا۔ ''رئیسہ یہ اچھی بات نہیں ہے''۔ سالار نے اس بار سنجیدگی سے اُسے گھرکا۔ ''اگر حمین نے کچھ ایسا کیا ہے جو تمہیں لگتا ہے ہمیں پتا ہونا چاہئے تو تمہیں ہمیں بتانا چاہئے۔ اس طرح کوئی بھی چیز چھپانا اچھی بات نہیں ہے''۔ وہ اب واقعی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ اُسے یہ اندازہ تھا کہ حمین کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تھا جس سے اُن کو کوئی بڑی پریشانی لاحق ہوتی مگر رئیسہ کی یہ پردہ پوشی'' اس وقت سالار کو بے حد بُری لگی تھی۔

"Give me a day"۔ رئیسہ نے اُس کے لہجے میں جھلکتی خفگی کو محسوس کیا اور اُسے منانے کی کوشش کی۔ ''میں آپ کو کل بتا دوں گی۔ میں بس کچھ اور سوچنا چاہتی ہوں اس پر''۔ وہ بے اختیار گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ انھوں نے اپنے بچوں کی پرورش زور زبردستی سے نہیں کی تھی۔ نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ کے اُنہیں کنٹرول کیا تھا۔ وہ اس وقت بھی زبردستی اُس سے وہ بات اگلوانا نہیں چاہتا تھا۔ رئیسہ کو اگر یہ چیز اُلجھا رہی تھی کہ کیا جو وہ کرنے جا رہی تھی وہ صحیح تھا یا غلط۔۔۔ تو سالار چاہتا تھا وہ یہ فیصلہ خود ہی کرے''۔ ''ٹھیک ہے۔۔ Take a day اور پھر مجھے بتاؤ'' اُس نے بات ختم کر دی لیکن رئیسہ کے انکشاف سے پہلے ہی سکول سے امامہ کو کال آ گئی تھی۔ حمین کی ٹیچر اُس کے پیرنٹس سے کسی ''اہم اور فوری'' issue کے بارے میں ملاقات کرنا چاہتی تھی۔ اُن دونوں نے اُس کال کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی۔ اُن کا خیال تھا وہ کسی academic issue سے متعلقہ ہوگا یا پھر کوئی چھوٹا موٹا indiscipline۔ حمین کے حوالے سے ایسی شکایات اُنہیں ہمیشہ ہی ملتی رہتی تھیں۔ وہ جبرئیل کی طرح نہیں تھا۔

لیکن اگلے دن اسکول میں اُنہیں حمین کے حوالے سے جو بتایا گیا تھا۔ اُس نے کچھ دیر کے لئے اُن کے ہوش و حواس ہی غائب کر دیئے تھے۔ وہ جونیئر ونگ میں ''بزنس'' کر رہا تھا اور ایسی ہی ایک بزنس ڈیل کے نتیجے میں ایک بچہ اپنی ایک بے حد مہنگی گیم گنوانے کے بعد اپنے ماں باپ کو اُس لین دین کی تفصیلات سے آگاہ کر بیٹھا تھا اور اُس کا نتیجہ اُن والدین کی شکایت سے ہوا تھا جس کے نتیجے میں اسکول نے تحقیقات کی تھیں اور حمین سکندر کو پہلا Warning letter ایشو ہوا تھا۔ وہ اگر حمین سکندر جیسا Star student نہ ہوتا تو اسکول کی

انضباطی کارروائی کچھ اور زیادہ سخت ہوتی لیکن سالار اور امامہ کے لئے وہ وارننگ لیٹر بھی بہت کافی تھا۔ اُن کے چاروں بچوں میں سے کسی کو پہلی بار کوئی وارننگ لیٹر ملا تھا اور وہ بھی تب جب چند دن پہلے وہ اس اسکول میں ایک ہیرو کے درجے پر فائز تھا اور وہ ''ہیرو'' اُس وقت اُن کے پاس سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سالار کا دماغ کچھ دیر کے لئے واقعی گھوم کر رہ گیا تھا۔ اُس کے حوالے سے متوقع خدشات میں یقیناً وہ صورت حال نہیں تھی جو انہیں اس وقت درپیش آئی تھی۔

اُس ''بزنس'' کے آغاز کو بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اور حمین سکندر نے رئیسہ کو پہلے دن سے اُس بزنس کے حوالے سے انفارم کر رکھا تھا۔۔۔ بزنس کا آغاز اتفاقی تھا۔۔۔ اُس کی کلاس میں ایک کلاس فیلو ایسے جوگرز لے کر آیا تھا جنہیں دیکھ کر حمین سکندر مچل گیا تھا۔

امامہ نے اُن برانڈڈ سنیکرز کی خواہش کو رد کر دیا تھا کیوں کہ چند ہفتے پہلے حمین نے نئے سنیکرز لئے تھے اور جب تک وہ نئے تھے ایک اور جوڑے کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حمین سکندر ہر روز سپورٹس آورز میں اپنے اُس کلاس فیلو کے سنیکرز دیکھتا اور انہیں حاصل کرنے کے طریقے سوچتا رہتا۔ بالآخر اُس نے اُن سنیکرز کو ''بارٹر ٹریڈ'' کے ذریعے حاصل کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا تھا۔ ''کوئی ایسی چیز جس کے ساتھ وہ کلاس فیلو اُن سنیکرز کو exchange کر لیتا۔'' اُس کا وہ کلاس فیلو حمین سکندر کے اتنے ڈائریکٹ سوال پر کچھ گڑبڑا ہی گیا تھا۔ ایسی پیش کش اور اُس کے سنیکرز کو ایسا tribute کسی نے پہلے کبھی پیش کیا ہی نہیں تھا۔ اُس نے کچھ تامل کے بعد بالآخر حمین کو یہ بتایا تھا کہ وہ ایک اور کلاس فیلو کی گھڑی کو بہت پسند کرتا تھا اور اگر اُسے وہ مل جاتی تو وہ اُس کے بدلے وہ سنیکرز دے سکتا تھا۔ جس کلاس فیلو کی گھڑی اُس نے مانگی تھی اُسے اپنی کلاس کے ایک دوسرے کلاس فیلو کی سائیکل میں بے حد دلچسپی تھی اور اُس سائیکل والے کو ایک اور کلاس فیلو کے بیگ میں۔۔۔ وہ چین چلتے چلتے حمین سکندر کے پاس موجود ایک Keyboard پر آئی تھی جو وہ کبھی کبھار سکول لے جا کر بجاتا تھا اور حمین سکندر نے فوری طور پر اُس Keyboard کے بدلے وہ سنیکرز حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور پھر نہ صرف یہ فیصلہ کیا تھا بلکہ دوسرے دن اُس کو عملی جامہ بھی پہنا دیا تھا۔۔۔ بزنس کا پہلا اصول Effective Strategy اور دوسرا Timely implementation۔ سالار سکندر کے منہ سے دن رات سننے والے الفاظ کو اُس کے نو سالہ بیٹے نے کس قدر مہارت سے استعمال کیا تھا۔ یہ اگر سالار سکندر دیکھ لیتا تو وہ اَش اَش کر اُٹھتا۔

حمین سکندر کی کلاس کے بارہ لوگوں نے اگلے دن اسکول گراؤنڈ میں اپنی اپنی موسٹ فیورٹ چیز کے حصول کے لئے اپنی کم فیورٹ چیز کا تبادلہ کیا تھا اور تبادلے کی اس چین کے ذریعے حمین سکندر بالآخر وہ سنیکرز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اُس کا دل خوشی سے بلیوں اُچھل رہا تھا اور یہی حال اُن دوسرے گیارہ بچوں کا بھی تھا جو چہرے پر خوشی اور بے یقینی کے عالم میں اپنی اپنی اُس موسٹ فیورٹ چیز کو دیکھ رہے تھے جو بے حد آسانی سے دوسروں سے اُن کے پاس آ گئی تھی۔

Client Satisfaction کاروبار کا تیسرا اصول تھا اور نو سال کی عمر میں سالار سکندر کے اُس بیٹے نے یہ تینوں چیزیں مدنظر رکھی تھیں۔ وہ اس وقت گیارہ happy customers کے درمیان راجہ اندر بنا کھڑا تھا جو سب اُس کا شکریہ ادا کرتے نہیں تھک رہے تھے۔

اُس دن حمین سکندر نے sports hour میں اُن نئے سنیکرز کے ساتھ پریکٹس کی تھی اور سب سے پہلے جس نے اُس کے وہ سنیکرز دیکھے

تھے وہ رئیسہ تھی، جسے اُس نے پیٹر ٹاؤن سیڈ کے وہ سٹیکرز اُس وقت بھی دکھائے تھے جب اُس کا اُن پر کرش تھا اور جب اُس نے گھر میں امامہ سے اُن کی فرمائش کی تھی اور اُس نے تب بھی اُن سٹیکرز کے بارے میں بتایا تھا اُسے جن کے حصول کے لئے وہ ایک ''بزنس پلان'' بنا رہا تھا۔ اُس کا وہ بزنس پلان سات سالہ رئیسہ کے سر کے اوپر سے گزرا تھا لیکن اُسے اگر ایک واحد فیلنگ ہوئی تھی تو وہ کہ کسی بھی دوسرے کی چیز کسی بھی طرح لینا شاید مناسب نہیں تھا لیکن حمین سکندر کے پاس اُس کا جواب تھا اور صرف جواب نہیں بے حد مطمئن کر دینے والا جواب۔

اب چار دن کے بعد رئیسہ وہ سٹیکرز حمین کے پیروں میں دیکھ رہی تھی اور وہ اُسے بے حد فاتحانہ انداز میں بتا رہا تھا کہ اُس نے یہ بارٹر ڈیل کن گیارہ کلاس فیلوز کے تعاون سے سرانجام دی۔

''اور اگر اُن میں سے کسی نے اپنی کوئی چیز واپس مانگ لی تو؟'' رئیسہ نے اُس کی ساری گفت گو کے بعد اپنے ذہن میں اُبھرنے والے پہلے خدشے کا اظہار اُس سے کیا۔ ''ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا'' ۔ حمین نے بے حد پُر اعتماد انداز میں کہا۔ ''کیوں؟'' حمین نے اُس کی کیوں کے جواب میں اپنی جیب سے ایک کانٹریکٹ نکال کر اُسے دکھایا جس پر حمین سمیت بارہ لوگوں کے دستخط تھے اور اُس کانٹریکٹ پر اس لین دین کے حوالے سے شرائط وضوابط درج تھے جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ایک دفعہ چیزوں کا تبادلہ ہو جانے کے بعد وہ واپس نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ رئیسہ کو ساری شرائط پڑھ کر سنا رہا تھا جن کی بنیاد پر وہ بزنس ڈیل ہوئی تھی۔ رئیسہ خاموشی سے سُنتی رہی پھر اُس نے کہا۔ ''اگر بابا ممی نے تمہارے سٹیکرز دیکھ لئے تو؟'' حمین نے اُس کے سوال پر اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا۔"Now that's a tricky part"۔ وہ اپنا کانٹریکٹ طے کرتے ہوئے اپنا سر مسلسل کھجا رہا تھا۔ ''میں اُن کو یہ سٹیکرز نہیں دکھاؤں گا نہ اُن کے سامنے پہنوں گا اور نہ ہی تم اُنہیں بتاؤ گی'' ۔ حمین نے بالآخر سر کھجانا بند کرتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔ ''ہم اُن سے جھوٹ بولیں گے؟'' ۔ رئیسہ کو یہ صورتِ حال کوئی اتنی مناسب نہیں لگی تھی۔ "Not at all"۔ حمین نے بے ساختہ کہا۔ ''بھلا جھوٹ کیوں بولیں گے ہم۔۔۔ ہم بس اُنہیں بتائیں گے ہی نہیں'' ۔ اُس نے بات کو لپیٹا۔ ''کیوں''؟ رئیسہ اب بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ "Parents don't understand a lot of things"۔ حمین نے جیسے کسی بزرگ کی طرح فلاسفی جھاڑی۔ ''اس لیے اُنہیں سب کچھ بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ پھر میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ میں نے بزنس کیا ہے۔ ہم سب نے اپنی مرضی سے ساری چیزوں کا exchange کیا ہے تو اگر ممی بابا کو پتا نہ بھی چلے تو بھی کوئی بات نہیں'' ۔ حمین نے اُس سے کہا تھا رئیسہ مطمئن ہوئی یا نہیں۔ وہ خاموش ہو گئی تھی۔ وہ حمین کا ''راز'' تھا اور وہ کسی سے شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بس پہلا اور آخری موقع تھا جب اُن دونوں کے درمیان اس حوالے سے لمبی چوڑی بات چیت ہوئی تھی۔ رئیسہ کا خیال تھا وہ بس پہلی اور آخری بزنس ڈیل تھی، جو حمین نے کی تھی اور وہ اُس کے بعد ایسا کچھ کرنے والا نہیں تھا۔ حمین کا اپنا خیال بھی یہی تھا لیکن اس بزنس ڈیل کے صرف ایک ہفتے کے بعد اُن گیارہ لوگوں میں سے ایک اور لڑکا اُس کے پاس آن موجود ہوا تھا۔ اس بار اُسے کلاس کے ہی ایک لڑکے کے گلاسز چاہیے تھے اور وہ حمین کے ذریعے یہ ڈیل کروانا چاہتا تھا اور اُس ڈیل کے بدلے وہ حمین کو پانچ ڈالرز دینے پر تیار تھا۔ وہ رقم بڑی نہیں تھی لیکن حمین اس temptation کو resist نہیں کر سکا۔ ایک بار پھر اُس نے ایک پوری بارٹر چین کے ذریعے وہ برانڈ ڈ گلاسز اپنے client کو ڈیلیور کر دیئے تھے اور پانچ ڈالرز کما لئے تھے۔ یہ اُس کی زندگی کی پہلی کمائی تھی اور رئیسہ کو اس بارے میں بھی پتا تھا۔ وہ اس بار بھی خوش نہ تھی

لیکن حمین کو اس بار بھی اس بزنس ڈیل کے نتیجے میں ہونے والی ''انکم'' کے حوالے سے کوئی شرمندگی نہیں تھی اور پھر یہ بزنس اُس کی اپنی کلاس سے نکل کر سکول میں پھیل گیا تھا۔ سکول میں چند مہینوں میں سب کو یہ پتا تھا کہ اگر کسی کو سکول میں کسی دوسرے بچے کی کوئی چیز پسند آ جائے تو اُس کے حصول کے لئے حمین سکندر واحد نام تھا جس کی خدمات وہ حاصل کر سکتے تھے۔ حمین سکندر کو خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔ جب سنیکرز کے ایک جوڑے کے لئے اُس نے اس بزنس کا آغاز کیا تھا۔ تین ماہ کے عرصہ میں حمین نے اس بزنس سے تقریباً 175 ڈالرز کمائے تھے اور یہ 175 ڈالرز اُن چند اشیاء کے علاوہ تھے جو اُس نے بارٹر چین کے دوران اپنے لئے حاصل کی تھیں اور رئیسہ اُس کی ہر ٹرانزیکشن سے واقف بھی تھی اور ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ زیادہ پریشان بھی ہو رہی تھی۔ حمین سکندر کے پاس اب پیسے تھے اُس نے ممی یا بابا سے نہیں لئے تھے۔ یہ اُس کے لئے زیادہ پریشان کن بات تھی اور حمین کے پاس اب کچھ ایسی چیزیں تھیں جو اُس کی ملکیت بنیں تھیں کسی اور کی تھیں۔ حمین سکندر کی ساری توجیہات سننے کے باوجود رئیسہ مطمئن نہیں ہوئی تھی نہ وہ اس ''بزنس'' کو ہضم کر پا رہی تھی جس کا پتا اُس کے والدین کو تھا اور نہ ہی وہ حمین کے پاس آنے والی دوسری چیزوں کو۔۔۔ اور بالآخر ایک مہنگی گیم کے تبادلے کے بعد پہلی بار رئیسہ نے فیصلہ کیا تھا کہ اُسے اب اس بزنس کے بارے میں اپنے والدین کو بتا دینا چاہئے۔ اس سے پہلے کہ حمین کسی مشکل کا شکار ہوتا۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

سالار اور امامہ نے سکول میں حمین سے زیادہ بات چیت نہیں کی تھی۔ سالار نے اُس سے کہا تھا وہ اس ایشو پر گھر میں بات کریں گے اور پھر وہ چلے گئے تھے لیکن حمین پریشان ہو گیا تھا۔

وہ اور رئیسہ ایک سکول میں تھے۔ جبریل اور عنایہ دوسرے میں۔ اس لئے یہ راز صرف رئیسہ تک ہی رہا تھا ورنہ سکول کے کسی اور بچے کے ذریعے یہ بات جبریل یا عنایہ تک بھی پہنچ جاتی۔

چھٹی کے وقت حمین نے رئیسہ کو اُس صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا جو اُسے پیش آئی تھی۔ وہ بے حد پریشان ہو گئی تھی۔ ''وارننگ لیٹر؟'' اُسے جیسے یقین نہیں آیا تھا کہ حمین کے ساتھ یہ ہو سکتا تھا۔ ''میں نے تمہیں کتنی بار منع کیا تھا''۔ اُس نے حمین سے کہا۔ ''لیکن تم نے بات نہ مانی''۔ ''مجھے توقع نہیں تھی کہ ایسا ہو جائے گا''۔ وہ دونوں اسکول بس میں سوار ہونے کی بجائے اب اس مسئلے کو ڈسکس کرنے میں مصروف تھے۔ ''بابا اور ممی بہت خفا ہوئے ہوں گے؟'' رئیسہ نے اُس سے پوچھا۔ ''تمہیں بہت ڈانٹا کیا؟'' ''نہیں یہاں تو نہیں ڈانٹا لیکن گھر جا کر ڈانٹیں گے۔۔۔ بابا نے کہا تھا۔۔۔ انہیں مجھ سے ضروری باتیں کرنی ہیں گھر جا کر''۔ حمین کچھ فکرمند انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''وہ تمہیں سکول سے نکال دیں گے کیا؟'' رئیسہ کو تشویش ہوئی۔ "I don't think so" بابا نے apologize کیا اُن سے۔۔۔ and they accepted it" حمین نے اُسے بتایا۔ "That's so bad"۔ رئیسہ کو اور افسوس ہوا۔ ''بابا کو کتنا بُرا لگا ہوگا۔۔۔ وہ بہت شرمندہ ہو گئے ہوں گے اور ممی بھی ہو رہی تھی۔'' "I Know"۔ حمین کچھ خجل تھا۔ اپنے ماں باپ کو اس طرح پریشان اُس نے بھی پہلی بار ہی دیکھا تھا اور وہ بھی اسکول کی ایڈمنسٹریشن کے سامنے۔۔۔ وہ اُس کے لئے بھی کچھ اچھا منظر نہیں تھا۔ ''تمہیں یہ نہیں کرنا چاہئے تھا حمین''۔ ''knowI''۔ لیکن اب کیا ہوگا؟'' اُس نے جواباً رئیسہ سے جیسے مشورہ لیا۔ اُس کے پاس جب اپنے آپشنز ختم ہو جاتے تھے تو وہ رئیسہ کی رائے لیتا تھا۔

۔۔۔وہ رائے اُسے سمجھ آتی نہ آتی وہ اُس پر عمل کرتا نہ کرتا لیکن وہ بہت چھوٹے ہوتے سے ہر چیز کے بارے میں رئیسہ کی رائے پوچھنے کا عادی تھا۔ یہ رئیسہ کو بات کرنے پر اُکسانے کے لئے اُن سب بہن بھائیوں کی عادت تھی۔

''تمہیں بابا اور ممی سے سوری کر لینا چاہئے''۔ رئیسہ نے اُسے رائے دی۔ ''جب کوئی بُرا کام ہو جائے تو سب سے پہلے یہی کرنا چاہئے۔'' رئیسہ نے پہلے مشورہ دیا پھر اپنے ماں باپ کی نصیحت دہرائی۔ ''expose تو میں پہلے ہی ہو چکا ہوں لیکن کیا اُن کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا ہو گا گھر پہنچنے تک؟'' وہ کچھ محتاط انداز میں پوچھ رہا تھا۔ "I don't think so" رئیسہ نے بالکل صحیح assessment کی تھی۔ اپنے ماں باپ کی "well" حمین کو اس کی assessment کے درست ہونے پر پورا یقین تھا کیوں کہ اُس کی اپنی چھٹی حس بھی یہی کہہ رہی تھی لیکن اگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تو وہ مسئلے کا حل تھا۔

امامہ اور سالار اُس دن وہ وارننگ لیٹر لے کر گھر آ گئے تھے اب اُنہیں اُس وارننگ لیٹر کا جواب دینا تھا اس کے باوجود سکول کی انتظامیہ حمین کی سابقہ اور موجودہ کارکردگی کی وجہ سے اُسے اس پہلے بڑے ''جرم'' کے لئے درگزر کرنے پر تیار تھی لیکن وہ دونوں بے حد پریشان تھے ۔اُن کی اولاد میں سے اگر کبھی کسی کی طرف سے اُنہیں چھوٹی موٹی شکایات آتی رہی تھیں تو وہ حمین ہی تھا۔اس کے باوجود حمین نے کبھی کوئی ایسی شرارت نہیں کی تھی نہ ایسا کوئی کام کہ جس پر انہیں اس طرح سکول بلا کر وارننگ لیٹر تھمایا جاتا اور پھر جو کام تھا اُس نے اُن کا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔ وہ اگر اُن کے سامنے وہاں خود اعتراف نہ کر چکا ہوتا تو وہ کبھی یقین نہ کرتے کہ حمین ''بزنس'' ٹائپ کی کوئی چیز سکول میں کر سکتا تھا اور پھر اس طرح کا بزنس۔۔۔اس کو کیا ضرورت پیش آئی تھی اور اس کرنے کی ''تک'' کیا تھی۔ انہیں واقعی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''جبریل اور عنایہ کو اس حوالے سے کچھ نہیں بتانا''۔ سالار نے امامہ کو گھر ڈراپ کرتے ہوئے اُسے کہا تھا۔ ''اور رئیسہ کو؟''۔ ''اُس سے بھی بات کرنی ہو گی''۔ وہ بڑبڑایا تھا۔

اُس دن سکول سے واپسی پر حمین جتنا سنجیدہ تھا۔ اُس سے زیادہ سنجیدہ امامہ تھی۔ ہر روز کی طرح پر جوش سلام کا جواب سلام سے ملا تھا نہ ہی ہمیشہ کی طرح وہ اُس سے جا کر لپٹا تھا اور نہ ہی امامہ نے ایسی کوئی کوشش کی تھی اور یہ سرد مہری کا مظاہرہ صرف حمین کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ رئیسہ کے ساتھ بھی ہوا تھا مگر امامہ نے اُنہیں کھانا سرو کرتے ہوئے بھی کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ دونوں اب متفکر تھے۔ سالار گھر پر نہیں تھا اور حمین کو اندازہ تھا کہ اُس کے گھر واپسی کے بعد وہ خاموشی جو گھر میں تھی قائم نہیں رہے گی۔

رات کے کھانے کے بعد سالار نے باقی بچوں کے اپنے کمرے میں جانے کے بعد حمین اور رئیسہ دونوں کو وہاں روک لیا تھا۔ وہ دونوں سالار کے سامنے صوفہ پر بیٹھے نظریں جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو حمین سے اس طرح کی خاموشی اور سنجیدگی کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی جس کا مظاہرہ وہ اب کر رہا تھا۔

''تمہیں یہ سب پتا تھا رئیسہ؟'' سالار نے بالآخر رئیسہ کو مخاطب کیا۔ اُس نے سر اُٹھایا۔ حمین کو دیکھا اور پھر کچھ شرمندہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "Yes baba"۔ ''اور تم حمین کے بارے میں مجھے یہی بتانا چاہتی تھی؟'' اس سوال پر اس بار حمین نے چونک کر رئیسہ کو دیکھا جس نے اُس کی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بار پھر سر ہلایا تھا۔

"Baba I am sorry" رئیسہ نے کہا۔ "I am very disappointed with you" ۔ سالار نے جواباً رئیسہ سے کہا۔ رئیسہ نے کچھ روہانسا ہوتے ہوئے اُس سے کہا۔ "Not accepted" ۔ اُنہوں نے جواباً کہا۔ "بابا اس میں رئیسہ کا کوئی قصور نہیں" ۔ حمین نے اُس کی حمایت کرنے کی کوشش کی۔ سالار نے اُسے ترشی سے جھڑک دیا۔ "Shut up" ۔ حمین اور رئیسہ دونوں گم صم ہو گئے تھے۔ انہوں نے سالار کے منہ سے اس طرح کے لفظ اور اس انداز میں اُن کا اظہار پہلی بار دیکھا تھا۔

"تم اب یہاں سے جاؤ" سالار نے تحکمانہ انداز میں رئیسہ سے کہا جس کی آنکھیں اب آنسوؤں سے بھر رہی تھیں اور سالار کو اندازہ تھا وہ چند لمحوں میں رونا شروع کر دے گی اور وہ فی الحال وہاں بیٹھ کر اُسے بہلانا نہیں چاہتا تھا۔ رئیسہ چپ چاپ وہاں سے چلی گئی تھی۔ سٹنگ ایریا میں اب صرف وہی دونوں باپ بیٹا رہ گئے تھے۔

"تمہیں سکول میں بزنس کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا؟" ۔ سالار نے بالآخر اُس سے بات چیت شروع کی۔ "No" حمین نے بڑے محتاط انداز میں اُس سے نظریں ملائے بغیر جواب دیا تھا۔ "پھر کس چیز کے لئے بھیجا گیا تھا؟" سالار نے اُس سے اگلا سوال کیا۔ "پڑھنے کے لئے" ۔ حمین نے اب بھی سر جھکائے رکھا تھا۔ "اور تم یہ پڑھ رہے تھے؟" ۔ سالار نے بے حد خفگی سے اُس سے کہا۔ "بابا میں نے جو بھی کیا تھا آپ کو بتا کر کیا ہے" ۔ حمین نے یک دم کہا۔ "کیا بتایا ہے تم نے؟" ۔ "بزنس کے بارے میں" ۔ اُس نے مختصراً کہا۔

اور اُس وقت سالار کو کئی مہینے پہلے اپنی اور حمین سکندر کی وہ گفتگو یاد آئی تھی جب اُس نے ایک رات بڑی سنجیدگی سے اُس کے پاس آکر اُس سے "بزنس" کے حوالے سے بات چیت کی تھی۔ وہ اُس وقت اپنے کام میں مصروف تھا اور اُس نے حمین کے ان سوالوں کو صرف اُس تجسس کا حصہ سمجھا تھا جو اُسے ہر چیز کے بارے میں ہوتا تھا۔

"بابا اگر ہمیں کوئی چیز حاصل کرنی ہو تو کیسے کریں" ؟ وہ سوال اتنا سادہ تھا کہ سالار حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اتنے سیدھے سوال نہیں کرتا تھا۔ "مثلاً کیا حاصل کرنا ہو؟ اُس نے جواباً پوچھا تھا۔ "کچھ بھی۔۔۔ اور کوئی بھی ایسی چیز جو کسی دوسرے کے پاس ہو اور ہمیں اچھی لگے تو کیسے لیں؟" ۔ "لینا ضروری ہے کیا؟" سالار نے اپنے laptop پر کام کرتے ہوئے پوچھا۔ "بہت ضروری" ۔ اُس نے جواباً بے حد مختصر انداز میں کہا۔ "محنت کرو اور وہ چیز خرید لو" ۔ یہ جواب دیتے ہوئے سالار کو اندازہ نہیں تھا وہ اُسے راستہ دکھا رہا تھا۔ "Hmm" وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ "یعنی بزنس کرنا پڑے گا؟" اُس نے سالار سے پوچھا تھا۔ "ظاہر ہے" ۔ سالار نے جواب دیا۔ "اور بزنس کیسے کرتے ہیں؟" ۔ حمین نے جواباً پوچھا۔ "بزنس پلان بنا کر" ۔ وہ اپنے کام میں مصروف اُس کے سوالوں کا جواب دیتا گیا اُن کی نوعیت یا مقصد کے بارے میں غور کئے بغیر۔ "وہ کیسے بناتے ہیں؟" "سب سے پہلے یہ طے کرتے ہیں کہ کیا بزنس کرنا ہے؟" ۔ "اُس کے بعد؟" ۔ "اُس کے بعد اُس کے لئے انویسٹمنٹ چاہئے" ۔ "اگر وہ نہ ہو تو" ۔ حمین نے پوچھا۔ "تو پھر کوئی ایسی strategy ہونی چاہئے جس سے کسی پارٹنر کو on board لا کر انویسٹمنٹ کی کمی پوری کی جا سکے۔" "او کے تو بزنس strategy ہونی چاہئے اور اُس کے بعد پارٹنرز" "پھر؟" وہ بے حد متجسس ہو رہا تھا۔ "پھر effective implementation" "جو پلان کیا ہو وہ اچھی طرح سے execute کیا جائے۔۔۔ اور timely۔۔۔" وہ ایک بزنس پلان کو جتنی سادگی سے اُسے سمجھا سکتا تھا اُسے سمجھا رہا تھا۔ "اور سب سے آخر میں client

satisfaction۔۔۔تاکہ آپ کو اور clients ملتے رہیں۔'' ''او کے۔'' حمین نے یہ اصول بھی سمجھ لیا تھا۔ اُس کے باپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اُس سے جو کچھ پوچھ رہا تھا اُس کا استعمال وہ کس طرح اور کہاں کرنے جا رہا تھا۔

سالار بہت دیر تک اپنے اُس نو سالہ ہم شکل کو دیکھتا رہا جس کے چہرے کی معصومیت سے اب بھی یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کبھی کوئی غلط کام کر سکتا تھا۔

''I am very unhappy'' ۔سالار نے بالآخر اُس سے کہا۔ ''I am sorry'' ۔جواب تڑ سے آیا تھا لیکن سالار کو احساس تھا اُس معذرت میں شرمندگی نہیں تھی۔ اعتماد اور قابلیت ہر بار پسند نہیں آتی۔ سالار کے ساتھ بھی اس وقت وہاں بیٹھے یہی ہو رہا تھا۔

''تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی'' ۔حمین نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ پھر اُس نے باپ کو سٹیکرز کے جوڑے کی وجہ سے اسٹارٹ کیے جانے والے اُس business venture کی تفصیلات بتانا شروع کر دیں...... سالار ٹوکے بغیر اس کی گفتگو سنتا رہا...... حمین نے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا...... سکول میں ماں باپ کو اپنی وجہ سے ہونے والی شرمندگی دیکھنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ انہیں سب کچھ بتا دے گا، اب کوئی جھوٹ نہیں بولے گا۔

جب وہ بالآخر خاموش ہوا تو سالار نے اس سے کہا، ''وہ contracts کہاں ہیں جو تم نے ان سب سے sign کروائے ہیں؟'' حمین وہاں سے اٹھ کر کمرے میں گیا اور کچھ دیر بعد ایک فائل لے کر واپس آیا۔ اس نے وہ فائل سالار کی طرف بڑھا دی تھی۔ سالار نے فائل کھول کر اس کے اندر موجود معاہدوں پر نظر ڈالی، پھر حمین سے پوچھا ''یہ کس نے لکھے ہیں؟'' ''میں نے خود'' ۔اس نے جواب دیا، سالار اس معاہدے کو پڑھنے لگا۔ ایک نو سالہ بچے نے اس معاہدے میں اپنے ذہن میں آنے والی ہر اُس شق کو شامل کیا تھا جو اسے ضروری لگی تھی یا جو اس نے کہیں دیکھی ہو گی۔ سالار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ معاہدے کی صرف زبان بچگانہ تھی، لیکن شقیں نہیں...... حمین نے اس معاہدے کے ذریعہ اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ کر لیا تھا۔ یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ وہ بچوں کے ساتھ dealings کر رہا تھا اور اس بچوں کی نفسیات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ mood swings کے تابع ہوتے ہیں، معاہدوں کے نہیں۔

سالار نے فائل بند کی پھر اس سے پوچھا، ''اور جو رقم تم نے ان سب لوگوں سے لی ہے، وہ کہاں ہے؟'' ''میرے پاس'' حمین نے جواب دیا، ''کچھ خرچ کی؟'' سالار نے پوچھا، ''نہیں'' اس نے کہا۔ سالار نے سر ہلایا، پھر فائل اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس سے کہا۔

''اب تم ایک letter اور لکھو گے جس میں تم اپنے ان سب "clients" سے معذرت کرو گے اور انہیں ان کی رقم اور وہ چیزیں لوٹاؤ گے جو تمہارے پاس ہیں...... اس کے بعد تم وہ ساری چیزیں ان سب لوگوں تک واپس پہنچاؤ گے جو تم نے exchange کی ہیں۔'' حمین چند لمحوں تک ساکت رہا پھر اس نے سر ہلایا ''Ok...... اور میں یہ کیسے کروں؟'' اس نے سالار سے کہا ''You are a businessman...... تمہیں اگر وہ بزنس کرنا آتا تھا تو یہ بھی آنا چاہیے'' سالار اٹھ کر کھڑا ہو گیا ''اور پھر جب تم یہ کام ختم کر لو تو ہم دوبارہ بات کریں گے...... تمہارے پاس ایک ہفتہ ہے۔'' حمین نے جاتے ہوئے باپ کی پشت دیکھی، جو وہ اسے کرنے کا کہہ کر گیا تھا وہ اُس کے لیے بے حد شرمندہ کرنے والا کام تھا...... ہر بچے کو جا کر معذرت کر کے اس کے پیسے واپس کرنا مشکل نہیں تھا...... اسے پتہ تھا ہر بچے

بے حد خوشی خوشی اپنے پیسے واپس لے لے گا...... لیکن مسئلہ اصل چیز اصل مالک کو پہنچانا تھا...... اسے یہاں بیٹھے بھی یہ اندازہ تھا کہ کوئی بچہ بھی خوشی خوشی اسے وہ چیز واپس نہیں کرے گا جو وہ اس barter deal کے ذریعہ حاصل کر چکا تھا اور پھر ضروری نہیں کہ ہر بچے نے اپنی چیز صحیح حالت میں رکھی ہو...... خود اس کے پاس موجود دوسرے بچے کے sneakers بھی اب کھیل کھیل کر پرانے ہو گئے تھے، اسے وہاں بیٹھے اندازہ ہو رہا تھا باپ اسے کس پریشانی میں ڈال گیا تھا۔

''تم نے بابا سے میرے بارے میں کیوں بات کی تھی؟'' حمین نے اگلی صبح سکول بس میں رئیسہ سے پوچھا۔ ''میں نے کچھ بتایا نہیں but I was worried about you'' رئیسہ نے جواباً اس سے کہا۔ ''اگر تم بتا دیتی تو میں تم سے بھی بات نہیں کرتا۔'' حمین نے اس سے کہا۔

''بابا نے تمہیں معاف کر دیا؟'' رئیسہ کو زیادہ پریشانی جس بات کی تھی اس نے اس سے وہ سوال کیا۔ ''بابا نے مجھے کہا ہے میں سب کی چیزیں اور پیسے واپس کرواؤں پھر وہ مجھ سے دوبارہ بات کریں گے۔'' حمین سنجیدہ اور کچھ پریشان لگا رئیسہ کو۔ ''Can I help?'' اس نے حمین کو آفر کی۔ ''No I will manage it myself'' ۔اس نے جواباً کہا۔

اس ''بزنس'' کا وہ اگلا تجربہ حمین سکندر کی زندگی کا سب سے سبق آموز تجربہ تھا۔ ایک star student کے طور پر سکول کے بچوں کو اپنی favorite چیز لینے کی ترغیب دینا اور پھر اس حد تک انہیں للچا دینا کہ وہ آنکھیں بند کر کے اپنی پسندیدہ چیز کے پیچھے چل پڑیں...... ایک چیز تھی لیکن اپنی پسندیدہ چیز کو واپس دے دینا خوشی خوشی...... ایک اور معاملہ تھا...... چیز واپس دینے کا کہنے والا حمین سکندر ہوتا یا کوئی اور، اُن کو فرق نہیں پڑتا تھا۔

وہ happy clients جنہوں نے حمین سکندر کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچایا تھا وہ اسی طرح اسے کھینچ کر واپس بھی لے آئے...... وہ ایک ہفتے کی بجائے ایک دن میں وہ کام سرانجام دے دینا چاہتا تھا لیکن اگلے ہی دن اسے پتہ چل گیا تھا کہ سالار سکندر نے اس کام کے لئے اسے ایک ہفتہ کیوں دیا تھا، ایک دن کیوں نہیں۔

حمین سکندر اگلے دن سکول میں اس بزنس کے ذریعے ہونے والی business deals کو ختم کرنے میں پہلی بار سکول کا most unpopular student کے status پر فائز ہو رہا تھا۔ کامیابی انسان کو ایک سبق سکھاتی ہے...... ناکامی دس...... لیکن حمین سکندر نے پندرہ سیکھے تھے۔

''Baba I am sorry'' وہ گاڑی میں سے اترتے ہوئے سالار کو دیکھ کر لپکتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی، اپنی سائیکل چھوڑ کر جو وہ چلا رہی تھی...... وہ رئیسہ کی پہلی غلطی تھی جس پر سالار کو اُسے ڈانٹنا پڑا تھا اور رئیسہ پچھلی رات سے یہ بات ہضم نہیں کر پا رہی تھی۔

ڈرائیور سیٹ کا دروازہ کھولے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے سالار نے اپنی اس منہ بولی بیٹی کو دیکھا جو پروانوں کی طرح اپنے ماں باپ کے گرد منڈلاتی پھرتی تھی۔

”تم نے کیا غلطی کی؟“ اس بار سالار نے ایک دن کی خاموشی کے بعد بالآخر اسے معاف کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اسے کریدا۔

”Yes...... مجھے آپ کو اور ممی کو سب کچھ بتانا چاہیے تھا۔“ رئیسہ نے اپنے گلاسز ٹھیک کرتے ہوئے سر جھکاتے ہوئے کہا ”اور؟“ سالار نے مزید کریدا۔ ”اور مجھے حمین کو سپورٹ نہیں کرنا چاہیے تھا...... لیکن بابا میں نے اس کو سپورٹ کبھی نہیں کیا۔“ رئیسہ نے پہلا جملہ کہتے ہی اس کی تصحیح کی۔

”تم نے خاموش رہ کر اسے support کیا۔“ سالار نے کہا۔ ”بابا میں نے اسے منع کیا تھا but he convinced me“ رئیسہ نے اپنا مسئلہ اور وضاحت پیش کی......

”اگر اس نے تمہیں convince کر لیا تھا تو پھر تم مجھے کیوں بتانا چاہتی تھی حمین کے بارے میں کچھ؟“ اس بار رئیسہ نے جواب نہیں دیا، وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ سالار نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور کہا۔

”You were not convinced...... تمہیں دل میں پتہ تھا کہ حمین ٹھیک کام نہیں کر رہا“ رئیسہ نے سالار کی بات پر اسی طرح سر جھکائے جھکائے سر ہلایا۔ ”یہ زیادہ بری بات تھی...... تمہیں پتہ تھا وہ ایک غلط کام کر رہا تھا لیکن تم نے اسے کرنے دیا...... چھپایا“ ”وہ مجھ سے ناراض ہو جاتا بابا“ رئیسہ نے کہا ”تو کیا ہوتا؟“ سالار نے اسی سنجیدگی سے کہا، ”میں اسے ناراض نہیں کر سکتی“ اس نے اس بار کچھ اور بے بسی سے کہا، ”اس کی ناراضگی اس سے بہتر تھی جتنی پریشانی وہ اب اٹھائے گا...... تمہیں اندازہ ہے سکول میں کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی اب اسے۔“ رئیسہ نے ایک بار پھر سر ہلا دیا۔ ”وہ تمہارا بھائی ہے...... دوست ہے...... تم اس سے بہت پیار کرتی ہو...... میں جانتا ہوں لیکن اگر کوئی ہمیں عزیز ہو تو اس کی غلطی بھی عزیز نہیں ہونی چاہیے۔“ وہ اب اسے جتنے آسان اور سادہ لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کر سکتا تھا، کر رہا تھا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے سن رہی تھی اور ذہن نشین کر رہی تھی۔ جب سالار نے اسے سمجھانا ختم کیا تو رئیسہ نے سر اٹھا کر اُس سے پوچھا ”کیا میں اب بھی آپ کو اچھی لگتی ہوں بابا؟“ سالار نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے اس کا سر چوما ”Yes“ رئیسہ کھل اٹھی...... وہ ایسی ہی تھی، چھوٹی بات پر پریشان ہونے والی...... چھوٹی بات پر خوش ہو جانے والی۔ رئیسہ اب گاڑی کی پچھلی سیٹ سے اس کا بریف کیس نکالنے لگی تھی۔

***

عنایہ نے ایرک کو کھڑکی سے دیکھا تھا اور وہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ وہ ایک چھٹی کا دن تھا اور وہ سٹنگ ایریا کی کھڑکی میں پڑے کچھ چھوٹے indoor plants کو تھوڑی دیر پہلے کچن سنک سے پانی دے کر لائی تھی اور اب انہیں کھڑکی میں رکھ رہی تھی جب اس نے ایرک کو گھر سے نکلتے دیکھا تھا اور وہ ہل نہیں سکی تھی اور ایرک کو اس طرح دیکھنے والی وہ واحد نہیں تھی...... وہ اب کالونی کی اس روڈ کے فٹ پاتھ پر آ چکا تھا جو ان گھروں کے بیچ گھومتی گھامتی انہیں ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے تھی...... اور اُس سڑک سے اکا دکا گزرنے والی گاڑیاں اور فٹ پاتھ پر اپنے کتوں اور بلیوں کو ٹہلانے والے افراد میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو ایرک کو نہ دیکھ رہا ہو۔

”عنایہ“ کچن میں کام کرتی امامہ نے اسے اتنی دیر کھڑکی سے باہر جھانکتے دیکھ کر پکارا تھا۔ عنایہ اس قدر مگن تھی کہ اسے ماں کی آواز سنائی نہیں

دی تھی، امامہ کچن ایریا سے خود بھی سٹنگ ایریا کی اس کھڑکی کے سامنے آگئی جس سے عنایہ باہر دیکھ رہی تھی اور کھڑکی سے باہر نظر آنے والے منظر نے اسے بھی عنایہ ہی کی طرح فریز کیا تھا۔

ایرک ایک کیکڑے کی طرح اپنے چاروں ہاتھوں اور پیروں پر چل رہا تھا۔ وہ چوپائے کی طرح نہیں چل رہا تھا، وہ اپنی پشت کے بل چل رہا تھا...... اپنا پیٹ اونچا کیے...... اپنے دونوں ہاتھوں کے بل اپنے اوپری دھڑ کو اٹھائے...... اپنی ٹانگیں گھٹنوں کے بل اُٹھائے...... وہ بڑی دقت سے چل بلکہ رینگ رہا تھا لیکن رکے بغیر بے حد اطمینان سے وہ اس طرح ادھر سے ادھر جاتے ہوئے چہل قدمی میں مصروف تھا جیسے یہ اس کے چلنے کا نارمل طریقہ تھا...... وہ جب تھک جاتا بیٹھ کر تھوڑی دیر سانس لیتا پھر اسی طرح چلنا شروع کر دیتا۔

''یہ کیا کر رہا ہے؟'' عنایہ نے اب کچھ پریشان ہو کر امامہ سے پوچھا تھا جو خود بھی اس ہی کی طرح ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی۔ ''پتہ نہیں''۔ ''کیا یہ چل نہیں سکتا؟'' عنایہ کو تشویش ہوئی تھی۔ ''پتہ نہیں'' امامہ اس سوال کا بھی کیا جواب دیتی۔

''جبریل تم ذرا جا کر اسے اندر لے کر آؤ''۔ جبریل اوپر والی منزل سے سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔ جب امامہ نے اُس کے قدموں کی آواز پر پلٹ کر اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کسے؟'' جبریل نے جواباً کھڑکی کے پاس آتے ہوئے کہا اور امامہ کو اُس کے سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اُس نے ایرک کو دیکھ لیا تھا پھر وہ رُکے بغیر باہر نکل آیا۔ ایرک اُسی طرح اُن کے گھر کے سامنے کیکڑا بنا ادھر سے اُدھر جا رہا تھا۔ لیکن وہ رُکا نہیں تھا۔ اسی طرح اُسے نظر انداز کرتے ہوئے چلتا رہا۔

''ہیلو'' جبریل نے اُس کے ساتھ ٹہلتے ہوئے ایرک سے کہا۔ اُس کی سرخ ہوئی رنگت، پھولے ہوئے سانس اور ماتھے پر چمکتے پسینے کے قطروں سے اُسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ تھک چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود صرف لوگوں کی توجہ حاصل کیے رکھنے کے لئے اپنی برداشت کو آزما رہا تھا۔

''ہیلو'' اُس نے بھی جبریل کی ہیلو کا جواب اتنے ہی پر جوش لیکن تھکے ہوئے انداز میں دیا تھا۔

''یہ کوئی نئی ایکسر سائز ہے؟'' جبریل نے اُس کے ساتھ ہلکے قدموں سے چلتے ہوئے کہا۔ ''نہیں''۔ ایرک کا جواب آیا۔ ''پھر''؟ ''میں کیکڑا ہوں۔۔۔ اور کیکڑے ایسے ہی چلتے ہیں''۔ ایرک نے اس بار اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''Oh I see''۔ جبریل نے بے اختیار کہا۔

''اور یہ تبدیلی کب آئی؟۔۔۔ آخری بار جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو تم انسان تھے''۔ جبریل اُس سے یوں بات کر رہا تھا جیسے اُسے اُس کی بات پر یقین آگیا تھا۔ ''آج رات''۔ ایرک نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔ ''Ohhh'' ''کیکڑے اکثر رُک کر آرام بھی کرتے ہیں تم نہیں کرو گے کیا؟'' جبریل نے بالآخر اُسے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔ ایرک کو جیسے تنکے کو سہارے والی بات ہوئی تھی۔۔۔ وہ ڈھے جانے والے انداز میں فٹ پاتھ پر چت لیٹتے ہوئے بولا۔ ''Oh yes۔۔۔ میں بھول گیا تھا۔ اچھا ہوا تم نے یاد دلا دیا''۔ اُس نے جبریل کے قدموں میں لیٹے لیٹے کہا۔ ''Don't mind۔۔۔ کیکڑے اتنی effort کرنے کے بعد کھاتے پیتے بھی ہیں''۔ جبریل نے جیسے اُسے اگلی بات یاد دلائی۔ ''آہاں۔۔۔ مجھے بھی کھانے کو کچھ چاہئے''۔ ایرک کی بھوک واقعی اُس کی بات سے چمکی۔۔۔ اُس کے بازو اور کمر اس وقت تقریباً شل ہو رہی تھی۔ ''ہمارے گھر کچھ کیکڑوں کی خوراک ہے اگر تمہیں interest ہو تو تم کھا سکتے ہو''۔ جبریل نے بالآخر

اُس سے کہا۔ وہ سیدھا سیدھا اُسے آکر امامہ کا پیغام بھی دے سکتا تھا لیکن اُنہیں ایرک کی سمجھ نہیں آتی تھی وہ کس موڈ میں ہوتا اور کیا جواب دیتا۔

’’Let me think‘‘ ایرک سوچ میں پڑا۔۔۔ جبریل نے سر اُٹھا کر اُس کھڑکی کی طرف دیکھا جہاں سے اُسے امامہ اور عنایہ نظر آرہی تھیں۔ ’’لیکن مجبوری والی کوئی بات نہیں۔۔۔ اگر تم نہیں آنا چاہتے تو بھی ٹھیک ہے‘‘۔ جبریل نے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھایا۔ ایرک یک دم اُسی طرح کیکڑا بنے اُس کے ساتھ چلنے لگا۔ جبریل رُکا اور اُس نے بڑی شائستگی سے اُس سے کہا۔

’’I will appreciate اگر تم کچھ دیر کے لئے دوبارہ انسان بن جاؤ۔ میری بہن اور ممی کیکڑوں سے بہت ڈرتی ہیں۔۔۔ اور اُن کے ڈر کو ختم کرنے کے لئے ہمیں ہر وہ کیکڑا مارنا پڑتا ہے جو ہمیں نظر آجائے‘‘۔ اُس نے مزاح کی بات سنجیدگی سے کہی تھی اور ایرک نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ وہ اُس سے کیا چاہتا تھا۔ وہ رُکا، بیٹھا، پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

جبریل کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اُس نے امامہ اور عنایہ کی حیرانی بھری نظریں نوٹس کر لی تھیں مگر وہ خوش باش تھا۔

’’ایرک تم کیا کر رہے تھے باہر؟‘‘ اُس کے اندر آتے ہی عنایہ نے اُس سے سب سے پہلے پوچھا تھا۔۔۔ وہ جواباً صرف مسکرایا تھا۔ فاتحانہ انداز میں۔۔۔ یوں جیسے جو وہ چاہتا تھا حاصل کر چکا تھا۔

’’یہ ایرک نہیں ہے ایک کیکڑا ہے‘‘ جبریل نے اُس کا تعارف کروایا اور اُسے اچھا لگے گا اگر اس کو اس کے نام سے ہی پکارا جائے۔‘‘ اُس نے جبریل کے تعارف کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ سیدھا کچن کاؤنٹر کے قریب پڑے ایک سٹول پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

’’تم اتنے دن سے آئے کیوں نہیں؟‘‘ امامہ نے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی تھی اُسے اندازہ تھا۔۔۔ صرف اُسے نہیں اُن تینوں کو۔۔۔ کہ وہ اُن کے گھر کے باہر کیکڑا بن کر چہل قدمی کیوں کر رہا تھا۔

’’میں مصروف تھا‘‘۔ ایرک نے مختصر جواب دیا۔ وہ اب اپنے بازو اور کلائیاں دبا رہا تھا۔ جبریل اور عنایہ نے نظروں کا تبادلہ کیا اور اپنی ہنسی کو روکا۔ اُنھیں اندازہ تھا ایک کیکڑا بن کر پندرہ بیس منٹ چہل قدمی کا نتیجہ اب کیا نکلنے والا ہے۔

’’تم بعض دفعہ بے حد احمقانہ حرکتیں کرتے ہو‘‘۔ عنایہ نے اُس سے کہا۔ ’’تم واقعی ایسا سمجھتی ہو؟‘‘ ایرک اُس کے تبصرے پر جیسے کچھ مضطرب ہوا تھا۔ ’’ہاں بالکل‘‘۔ ایرک کے چہرے پر اب کچھ مایوسی آئی۔ ’’اگر تم ہمارے گھر کے اندر آنا چاہتے تھے تو اُس کا سیدھا راستہ دروازے پر دستک دے کر اجازت مانگنا ہوتا ہے۔۔۔ کیکڑا بن کر ہمارے گھر کے سامنے پھرنا نہیں۔۔۔ یا تم یہ چاہتے تھے ہم خود تمہیں کھینچ کھینچ کر اندر بُلائیں۔‘‘ عنایہ نے کچھ خفگی سے کہا۔ ایرک کا چہرہ سُرخ ہوا۔۔۔ یہ شرمندگی تھی اس بات کی کہ وہ اُس کی اس حرکت کی وجہ کو یوں بوجھ گئے تھے۔

’’مسز سالار مجھے پسند نہیں کرتیں‘‘۔ ایرک نے اُس کی بات کے جواب میں امامہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ امامہ اُسے دیکھ کر رہ گئی۔ اُسے اندازہ نہیں تھا پہلی بار اُس کے سمجھانے کا اثر ایرک پر یہ ہو گا۔

’’خیر وہ تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا۔ خاص طور پر میں۔ But you are still welcome‘‘۔ یہ جبریل تھا جس نے ماں کے

جواب دینے سے پہلے جواب دیا تھا۔ وہ فریج سے ایک سوفٹ ڈرنک نکال رہا تھا۔ ''I have the same feelings for you..thank you'' ۔ ایرک نے اُسے ٹکڑا توڑ جواب دیا تھا۔ ''Oh really'' ۔ جبریل اب اُسے tease کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا ایرک کو اُس کی بات بُری لگی تھی۔ ''I think so'' ۔ ایرک نے اُسی روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔ ''You should think again'' ۔ جبریل نے اُسی انداز میں اُسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ ایرک اُسی طرح نروٹھے انداز میں بیٹھا رہا تھا لیکن وہ یہاں ان لوگوں کے پاس آ کر ایک بار پھر ویسے ہی خوش اور پرسکون تھا جیسے ہمیشہ ہو جاتا تھا۔ اُن کے گھر میں warmth تھی جو سب کے لئے تھی۔ ایرک بھی اُس warmth کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اپنے سٹول سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے امامہ سے کہا۔ ''مسز سالار میں فریج سے کوئی ڈرنک لے سکتا ہوں؟'' ''نہیں جو آخری تھا وہ میں نے لے لیا لیکن تم یہ پی سکتے ہو'' ۔ امامہ سے پہلے جبریل نے اُسے کہا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا وہ کین جس سے اُس نے ابھی ایک دو گھونٹ لئے تھے۔ اُس کے سامنے کچن کاؤنٹر پر رکھ دیا اور خود اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا۔ عنایہ لاؤنج کی صفائی میں امامہ کی مدد کر رہی تھی۔ ایرک کچھ دیر دیکھتا رہا پھر اُس نے کین اُٹھا کر ایک ہی سانس میں اُسے ختم کیا۔ ''اگر مدد کی ضرورت ہو تو میں مدد کر سکتا ہوں'' ۔ ایرک نے اُن دونوں کو مختلف چیزیں اِدھر سے اُدھر اُٹھا کر رکھتے دیکھ کر آفر کی تھی۔ ''تمہارے بازو اب دو دن تک کچھ بھی اُٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اس لئے آرام کرو ہم خود ہی کر لیں گے ایرک'' ۔ امامہ نے جواباً اُسے کہا۔

''میرا نام ایرک نہیں ہے'' ۔ ایرک نے بے حد سنجیدگی سے امامہ کو جواب دیا۔ ''ہاں ہاں پتا ہے تمہارا نام اب crab ہے'' ۔ عنایہ نے hoover چلاتے ہوئے مذاق اُڑانے والے انداز میں اُس سے کہا۔ ''میرا نام عبداللہ ہے'' ۔ امامہ اور عنایہ نے بیک وقت پہلے اُسے دیکھا پھر ایک دوسرے کو۔ ''کیا مطلب'' ؟ امامہ کچھ ہکا بکا سی رہ گئی تھی۔ ''اب میرا نام ایرک نہیں عبداللہ ہے'' ۔ ایرک نے اپنا جملہ اُسی سنجیدگی سے دُہرایا تھا۔ ''کس نے بدلا ہے تمہارا نام؟'' عنایہ بھی ماں کی طرح دنگ تھی۔ ''میں نے خود'' ۔ ایرک نے فخریہ انداز میں خالی کین trash میں پھینکتے ہوئے کہا۔ ''ایرک ایک بہت خوب صورت نام تھا'' ۔ امامہ نے بے حد سنجیدگی سے اُسے کہا۔ ''کیوں عنایہ؟'' اُس نے روانی میں عنایہ سے پوچھا۔ ''عبداللہ زیادہ خوب صورت نام ہے ممی'' ۔ عنایہ نے ماں کی تائید نہیں کی لیکن بڑے جتانے والے انداز میں بتایا کہ وہ ''عبداللہ'' سے کیا مفہوم لے رہی تھی۔ ۔ ۔ وہ اللہ کا نام تھا اور وہ امامہ کو ایرک کے سامنے یہ نہیں کہنا چاہتی تھی کہ اللہ کا نام سب سے خوب صورت ہوتا ہے۔ سالار اور امامہ نے امریکہ میں اپنے بچوں کو مذہب سے نا آشنا نہیں رکھا تھا اور ماں باپ سے بڑھ کر یہ کام جبریل کرتا تھا جو اُن تینوں کو قرآن کی بہت ساری چیزیں بتاتا تھا لیکن اپنے مذہب سے مکمل طور پر واقف ہوئے۔ عملی ہونے کے باوجود اُن دونوں نے اپنے بچوں کو اُس معاشرے میں رہتے ہوئے مذہبی بحثوں میں حصہ لینے سے ہمیشہ باز رکھا تھا۔ وہ مسلمان کے طور پر واضح شناخت کئے جانے کے باوجود کسی بھی طرح کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے والے شخص کی دل آزاری کا باعث نہیں بنتے تھے۔ اپنے مذہب کو دوسروں کے لئے تکلیف پہنچانے کا ذریعہ بنا کر۔

''لیکن ایرک کو عبداللہ ہونے کی ضرورت کس لئے'' ؟ امامہ کو اُس کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ ایرک کو کہے بغیر نہیں رہ سکی۔ وہ جس موضوع سے گفت گو ہٹانا چاہتی تھی۔ گفت گو آج پھر وہیں آ گئی تھی۔

''کیوں ضرورت نہیں ہے''؟ ایرک نے اُسی انداز میں امامہ سے پوچھا۔ اس سوال کا جواب امامہ کے پاس نہیں تھا۔ ''تمہاری ممی کو پتا ہے کہ تم نے نام بدل لیا؟'' عنایہ نے ماں کی مشکل سوال بدل کر آسان کی تھی۔ ''ابھی نہیں پتہ لیکن میں بتادوں گا''۔ ایرک نے اُسی سہولت سے کہا۔

''اور یہ نام تم نے رکھا کیسے ہے؟'' امامہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔ ''انٹرنیٹ سے ڈھونڈا ہے''۔ ایرک نے اطمینان سے کہا۔ ''اس کا مطلب جانتے ہو''؟ امامہ نے اگلا سوال کیا۔ ''ہاں۔۔۔ اللہ کا بندہ''۔ اُس نے امامہ کو ایک بار پھر لاجواب کیا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اب مجھے عبداللہ کہا کریں۔'' ایرک نے اگلا مطالبہ کیا۔ ''اس سے کیا ہوگا؟'' اس بار وہ امامہ کے سوال پر خاموش ہوگیا تھا۔ واقعی اس سے کیا ہوسکتا تھا۔

وہ کچھ دیر ایسے ہی کھڑا رہا۔ پھر کچھ کہے بغیر خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ امامہ کو عجیب سا قلق ہوا۔۔۔ وہ کھڑکی کی طرف گئی اور باہر جھانکا۔ اُس کا خیال تھا وہ ایک بار پھر کیکڑ ابن کرفٹ پاتھ پر پھر رہا ہوگا لیکن وہ باہر نہیں تھا۔

''عبداللہ بُرا نہیں ہے''۔ وہ عنایہ کی آواز پر کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ وہ ایک بار پھر hoover چلانے کے لئے تیار تھی لیکن وہ اب اُداس تھی۔

''عنایہ وہ ایرک ہے۔ صرف نام بدل لینے سے وہ عبداللہ نہیں ہوسکتا بیٹا۔'' امامہ نے کہنا ضروری سمجھا تھا لیکن یہ جملہ کہتے ہوئے اُسے اپنی آواز کی بازگشت نے عجیب انداز میں ہولایا۔ عنایہ خاموش رہی تھی۔

سالار نے اُس فائل میں لگے کاغذات کو باری باری دیکھا۔۔۔ آخری کاغذ فائل میں رکھنے کے بعد اُس نے سامنے بیٹھے حمین کو دیکھا۔ فائل بند کی اور اُسے واپس تھمادی۔

''تو اس سارے تجربے میں تم نے کیا سیکھا؟''۔ ''A lot of things''۔ حمین نے گہرا سانس لے کر کہا۔ سالار نے اپنی ہنسی بے اختیار چھپائی۔ ''Name only two''۔ ''Children are not good clients'' اُس نے بے ساختہ کہا۔ ''And?'' سالار نے کریدا۔ ''Business is not easy''۔ اُس نے چند لمحے خاموش رہ کر سالار سے کہا۔ ''Correct'' سالار نے تائید کی پھر اُس سے کہا۔ ''ہر وہ چیز جو اچھی لگے اور دوسرے کی ملکیت ہو ہماری زندگی کا مقصد نہیں ہوسکتی نہ ہی ہماری موسٹ فیورٹ چیز ہوسکتی ہے''۔ سالار نے اُس کے بزنس سلوگن کو جان بوجھ کر دہرایا جو اُس نے اس کے کانٹریکٹ میں پڑھا تھا۔ ''Get your most favourite item now''۔ ایک لمحہ کے لئے اُس سلوگن نے اُسے خیر اکر ہی رکھ دیا تھا۔ وہ اُس کی اولاد کا بزنس سلوگن کیسے ہوسکتا تھا اور وہ بھی نو سال کی عمر میں۔

''ہماری موسٹ فیورٹ چیز وہی ہوتی ہے اور ہونی چاہئے جو ہمارے پاس ہے کسی دوسرے کی موسٹ فیورٹ چھیننے کا ہمیں حق نہیں ہے۔'' وہ اپنے نوسالہ بیٹے کو بزنس کے گروں میں اخلاقیات کا درس دینے کی کوشش کررہا تھا۔ پتا نہیں صحیح کررہا تھا یا غلط۔ مگر سالار سکندر باپ تھا وہ اپنے نوسالہ بیٹے کو یہ نہیں سکھا سکتا تھا کہ بزنس میں کوئی اخلاقیات نہیں ہوتیں۔ صرف پیسہ ہوتا ہے۔۔۔ یا نہیں ہوتا۔۔۔ باقی ہر

چیز سیکنڈری تھی۔

"تمہیں پتا ہے انسان کے پاس سب سے طاقتور چیز کیا ہے؟" اُس نے حمین سے پوچھا "کیا؟" حمین نے کہا "عقل۔۔۔ اگر اُس کا صحیح استعمال کرنا آتا ہو تو" ۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اور تمہیں پتا ہے انسان کے پاس سب سے خطرناک چیز کیا ہے؟" اُس نے پھر پوچھا۔ "کیا؟" حمین نے پھر اُسی انداز میں کہا۔ "عقل" ۔ اگر اُسے اُس کا صحیح استعمال نہ آتا ہو۔ یہ صرف دوسروں کو نہیں اپنے آپ کو بھی تباہ کرسکتی ہے۔"

حمین جانتا تھا سالار کس کی عقل کی بات کر رہا تھا۔ وہ اُس کی بات کر رہا تھا۔

وہ دنیا کے دو ذہین ترین دماغ تھے صرف باپ بیٹا نہیں تھے۔۔۔ 45 سال کی عمر میں وہ ایک سود سے پاک اسلامی مالیاتی نظام کا ڈھانچہ کھڑا کر چکا تھا۔ اب اُس ڈھانچے کی بنیادیں مضبوط کرنے کے بعد اُس کی عمارت کھڑی کر رہا تھا۔ وہ رسک لیتا تھا، چیلنج قبول کرتا تھا۔ نئے راستے ڈھونڈنا اور بنانا جانتا تھا۔ برین ٹیومر سے لڑتے ہوئے بھی وہ اپنی زندگی کے ایک ایک دن کو با مقصد گزار رہا تھا۔ ایک دُنیا اُس کے نام سے واقف تھی ایک دُنیا اُسے مانتی تھی۔ وہ جس فورم پر بات کرنے کھڑا ہوتا۔۔۔ Finance کی دنیا کے گرو اُس کو خاموشی اور توجہ سے سنتے تھے۔۔۔ وہ زندگی میں کوئی اور بڑے معرکے نہ بھی مارتا تو بھی سالار سکندر فنانس کی دنیا میں legendary حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

حمین سکندر ایک نو سال کا بچہ تھا جس کا پہلا بزنس کسی انویسٹمنٹ کے بغیر صرف interpersonal skills پر شروع ہوا تھا اور کامیابی سے فراٹے بھرنے کے بعد تین مہینے کے اندر بُری طرح نہ صرف ڈوبا تھا بلکہ ساتھ ہی سکول میں اُس کی ساکھ کو بھی لے ڈوبا تھا۔ اُس نے 175 ڈالرز کی اپنے پاس بقیہ رہ جانے والی رقم کی ایک ایک پائی واپس کر دی تھی۔۔۔ ہر ایک سے نہ صرف زبانی طور پر معذرت کی تھی بلکہ ہر ایک کو ایک معذرت کا خط بھی لکھا تھا جو اُس نے خود ڈرافٹ کیا تھا۔ یہ حمین سکندر کی زندگی کے سب سے شرمندہ کرنے والے لمحات تھے۔۔۔ وہ کچھ دنوں پہلے کے قومی سطح پر ملنے والے stardom کو گھنٹوں میں کھو چکا تھا۔ لیکن اس سارے تجربے نے حمین سکندر کو پہلی بار کچھ سنجیدہ کیا تھا۔ کچھ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔

اُس نے اُس رات ایک بات اپنے باپ کو معذرت قبول ہو جانے کے بعد نہیں بتائی تھی اور وہ یہ تھی کہ اُسے زندگی میں بزنس ہی کرنا تھا۔ اپنے باپ سے زیادہ بڑا اور کامیاب نام بننا تھا۔ اُسے دنیا کا امیر ترین آدمی بننا تھا۔۔۔ حمین سکندر نے یہ خواب جاگتی آنکھوں سے اپنے کلاس فیلوز کو اُن کی رقم واپس کرتے ہوئے دیکھا تھا جس کی تعبیر اُس نے کیسے کرنی تھی یہ اُسے ابھی سوچنا تھا۔

***

"ممی میں قرآن پاک پڑھنا چاہتا ہوں" ۔ ڈنر ٹیبل پر اُس رات ایرک اپنی فیملی کے ساتھ کئی دنوں بعد اکٹھا تھا۔ کیرولین کا بوائے فرینڈ بھی وہیں تھا جب کھانے کے درمیان ایرک نے کیرولین سے یہ بات کہی تھی۔

"وہ کیا ہے؟" ایک لمحہ کے لئے کیرولین کو سمجھ ہی نہیں آئی کہ وہ کس چیز کو پڑھنے کی خواہش کا اظہار کر رہا ہے"۔ "Muslims کی Holy Book" ۔۔۔ جو عنایہ کی فیملی پڑھتی ہے" ۔ اُس نے ماں کو وضاحت دی۔ کیرولین کے پارٹنر رالف نے کھانا کھاتے ہوئے رُک کر اُن دونوں کو دیکھا تھا۔ وہ تقریباً پچھلے تین مہینے سے اب اسی گھر میں کیرولین کے ساتھ ایک live-in ریلیشن شپ میں تھا۔ ایرک

اُسے پسند نہیں کرتا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا لیکن ایرک نے کبھی اُس سے بدتمیزی بھی نہیں کی تھی۔ اُن دونوں کا relationship بے حد فارمل تھا مگر اتنے عرصہ میں یہ پہلی بار تھا کہ وہ ایرک کی کسی بات پر تبصرہ کرنا چاہتا تھا لیکن کچھ جھجک رہا تھا وہ ایرک کے دل میں اپنی ناپسندیدگی میں اور اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم translation پڑھنا چاہتے ہو؟'' کیرولین نے کہا۔ ''نہیں میں عربی پڑھنا چاہتا ہوں جیسے وہ پڑھتے ہیں''۔ وہ سنجیدہ تھا۔ ''لیکن تمہیں عربی نہیں آتی''۔ کیرولین بھی اب بے حد سنجیدہ تھی۔ یہ ایک عجیب فرمائش تھی۔ ''ہاں لیکن جبریل مجھے سکھادے گا۔۔۔ اُس کو آتی ہے عربی''۔ ایرک نے ماں سے کہا۔ فوری طور پر کیرولین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ وہ ایک نئی زبان کا ذکر اس طرح کر رہا تھا جیسے وہ دو دن میں اُسے سیکھ لینے والا تھا۔

''اس کی ضرورت کیا ہے''؟ کیرولین کو خاموش دیکھ کر رالف بولے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ''یہ مسلمانوں کی holy book ہے۔ تمہیں اس کو پڑھنے کے لئے ایک نئی زبان سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اس کی translation پڑھ سکتے ہو۔ اگر تمہیں ایک کتاب کے طور پر اسے پڑھنے میں دلچسپی ہے تو''۔ رالف نے اپنی طرف سے بے حد مناسب مشورہ دیا تھا۔ جو ایرک نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا تھا۔ اُس نے رالف کی بات کا جواب دینے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

''ممی۔۔۔؟'' رالف کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اُس نے سوالیہ انداز میں کیرولین سے دوبارہ کہا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ اُس کے اور ایرک کے تعلقات آج کل جس نوعیت کے رہ گئے تھے اُس میں یہ بڑی بات تھی کہ وہ کسی کام کے لئے اُس سے اجازت مانگ رہا تھا ورنہ وہ کوئی کام کر کے بھی اُسے بتانے کی زحمت نہیں کر رہا تھا۔

''تمہاری سٹڈیز متاثر ہوں گی ایرک''۔ کیرولین کو جو واحد reservation تھی اُس نے اُس کا ذکر کیا۔ ''وہ متاثر نہیں ہوں گی۔۔۔ I promise''۔ اُس نے فوراً سے پیشتر ماں کو یقین دہانی کروائی۔ رالف کو عجیب سی ہتک کا احساس ہوا تھا۔ خود کو یوں اگنور کیے جانے پر لیکن دوبارہ مداخلت کرنے کی بجائے کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔

''او کے ٹھیک ہے لیکن اگر تمہاری سٹڈیز پر کوئی اثر پڑا تو میں تمہیں روک دوں گی''۔ ایرک کا چہرہ کھل اُٹھا۔ ''او کے''۔ اُس نے جیسے ماں کو تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ ''تم کب جایا کرو گے جبریل کے پاس قرآن پاک پڑھنے؟'' کیرولین نے پوچھا۔ ''ہفتے میں دو بار''۔ ایرک نے کہا۔ ''ٹھیک ہے''۔ وہ جیسے مطمئن ہوئی۔

''آپ جبریل کی ممی کو فون کر کے بتا دیں کہ آپ نے مجھے اجازت دے دی ہے اور آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ ایرک نے کہا۔ کیرولین کو پلک جھپکتے میں سمجھ آ گیا تھا کہ اس ساری اجازت کا اصل مقصد کیا تھا۔۔۔ رالف کے سامنے وہ ایرک کو یہ نہیں کہنا چاہتی تھی کہ وہ یقیناً جبریل کے خاندان کی شرط کی وجہ سے اُس سے اجازت لینا چاہ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے میں فون کر دوں گی''۔ کیرولین نے کہا۔ ایرک نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کھانا ختم کر کے چلا گیا۔

''تم بے وقوفی کر رہی ہو''۔ اُس کے وہاں سے جاتے ہی رالف نے بے حد ناخوش انداز میں کیرولین سے کہا تھا۔ ''کیسی بے وقوفی؟'' وہ

سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھی تھی۔ ''تمہارا بیٹا پہلے ہی تمہارے لئے سر درد بنا ہوا ہے۔ وہ tempramental ہے اور تم اُسے قرآن پاک اور عربی سیکھنے کے لئے بھیج رہی ہوتا کہ وہ انتہا پسند ہو جائے۔ وہ بھی ایک مسلمان خاندان کے پاس''۔ کیرولین ہنس پڑی تھی۔

''تم اس خاندان کو جانتے نہیں ہو رالف۔ میں ساڑھے تین سال سے جانتی ہوں۔ neighbours ہیں ہمارے۔ جیمز کی موت کے بعد انہوں نے ہمارا بہت خیال رکھا تھا۔'' کیرولین کہہ رہی تھی۔ ''میں مارک اور سبل کو اکثر اُن لوگوں کے پاس چھوڑ کر جاتی تھی۔ وہ ایرک کو کچھ بُرا نہیں سکھائیں گے۔۔ سکھانا ہوتا تو وہ اُسے میری اجازت سے مشروط کر کے بھی اُسے سکھانا شروع کر دیتے۔ مجھے کیسے پتا چلتا۔ کم از کم ایرک ایسا نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی کام مجھ سے پوچھے بغیر کرنے کا تصور بھی نہ کر سکے۔'' ''تم پھر بھی سوچ لو۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ایک اچھا فیصلہ ہے۔ ایک ڈسٹربڈ بچے کو قرآن پاک پڑھانا۔۔۔ وہ اگر مسلمانوں ہی کی طرح violent ہو گیا تو۔۔۔؟'' رالف کے اپنے ہی خدشات تھے جنہیں کیرولین نے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

''مجھے پتہ ہے ایرک کے مزاج کا۔۔۔ اُسے کسی چیز کا شوق پیدا ہو تو بس شوق نہیں جنون سوار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ سب زیادہ دن نہیں چلتا۔۔۔ وہ بڑی جلدی بور ہونا شروع ہو جاتا ہے اور یہ تو ایک دوسری زبان سیکھنا ہے۔ تم دیکھ لینا ایک دو ہفتوں کے بعد خود ہی چھوڑ دے گا وہ۔'' کیرولین نے بے حد مطمئن انداز میں رالف کے خدشات ختم کرنے کی کوشش کی اور جو اُس نے کہا تھا اُسے اُس پر یقین تھا مگر وہ پھر بھی خوش اس لئے تھی کہ کئی ہفتوں کے بعد اُس کے اور ایرک کے درمیان باہمی رضا مندی سے ایک چیز ہوئی تھی۔

ایرک اُس اجازت کے اگلے ہی دن دوبارہ امامہ اور سالار کے گھر پہنچ گیا تھا۔ جبریل کے پاس قرآن پاک کا آغاز کرنے۔

وہ ایک دن پہلے بھی اسی طرح جبریل کے پاس پہنچ گیا تھا۔ وہ اُس وقت قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ ایرک اُس کے پاس جا کر بیٹھ گیا تھا اور پھر اتنی دیر اُس کے پاس بیٹھا رہا کہ جبریل کو بالآخر تلاوت ختم کر کے اُس سے پوچھنا پڑا تھا کہ وہ وہاں کسی کام سے تو نہیں آیا؟

''میں بھی ایسے قرآن پاک پڑھنا سیکھنا چاہتا ہوں جیسے تم پڑھ رہے ہو۔'' اُس نے جبریل سے جواباً کہا۔ وہ اُس کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔ اُس کا مطالبہ عجیب لگا تھا۔ ''میری تو یہ مذہبی کتاب ہے اس لئے پڑھ رہا ہوں میں۔'' اُس نے ایرک کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ''تم پڑھ کر کیا کرو گے؟'' ''مجھے دلچسپی ہے جاننے میں اور مجھے اچھا لگتا ہے جب تم تلاوت کرتے ہو تو''۔ ایرک نے جواباً کہا۔ ''تم انٹرنیٹ پر translation پڑھ سکتے ہو یا میں تمہیں دے دوں گا ایک English Translation۔۔۔ اور تمہیں تلاوت اچھی لگتی ہے تو تم وہ بھی وہاں سے download کر کے سُن سکتے ہو۔۔۔ تمہیں اس کے لئے قرآن پاک کی تلاوت سیکھنے کی ضرورت نہیں''۔ جبریل نے نرمی سے جیسے اُسے راستہ سمجھایا تھا۔ ''لیکن میں ٹرانسلیشن نہیں پڑھنا چاہتا اور میں تلاوت سُننا نہیں خود کرنا چاہتا ہوں جیسے تم کرتے ہو۔'' ایرک اب بھی مُصر تھا۔ ''یہ بہت لمبا کام ہے ایرک۔ ایک دن میں نہیں ہو سکتا''۔ جبریل نے اُسے ٹالنے کی کوشش کی۔۔۔ وہ نہ ٹلا۔۔۔ ''کتنا لمبا کام ہے؟'' ایرک نے پوچھا۔ ''تمہیں تو کئی سال لگ جائیں گے''۔ ''اوہ تو کوئی مسئلہ نہیں میرے پاس بہت وقت ہے''۔ ایرک نے بہت مطمئن ہو کر اُس سے کہا تھا۔ جبریل عجیب مشکل میں پڑ گیا تھا۔ ایرک کئی بار سٹڈیز کے حوالے سے کوئی چیز اُس سے پوچھنے آ جاتا تھا اور جبریل اُسے سمجھا دیا کرتا تھا لیکن یہ اُن کی مقدس کتاب کی بات تھی۔۔۔ ایک گیارہ سالہ christian بچے کی فرمائش پر وہ امریکہ میں بیٹھ

کر بھی سوچے سمجھے بغیر آنکھیں بند کر کے مذہبی جوش وجذبات میں اُسے قرآن پاک سکھانا شروع نہیں کر سکتے تھے۔

''تم سب سے پہلے اپنی ممی سے پوچھو''۔ جبریل نے بالآخر اُس سے کہا۔ ''ممی کو کوئی ایشو نہیں ہوگا مجھے پتہ ہے۔'' اُس نے جبریل کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

''اگر اُن کو ایشو نہیں ہوگا تو اُنہیں یہ بات مجھے یا ممی سے کہنی ہوگی''۔ جبریل اُس کی یقین دہانی سے متاثر ہوئے بغیر بولا تھا۔ ''میں اپنے لئے کچھ بھی فیصلہ کر سکتا ہوں۔ مجھے ہر کام ممی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ایرک نے اُس سے کہا۔

''تم ابھی چھوٹے ہو ایرک۔۔۔اور زیادہ سمجھدار بھی نہیں ہو۔ جب تک تم اٹھارہ سال کے نہیں ہو جاتے تمہیں ہر کام اپنی ممی سے پوچھ کر ہی کرنا چاہئے۔ جیسے ہم لوگ اپنے پیرنٹس سے پوچھ کر کرتے ہیں اور یہ کوئی بُری بات نہیں ہے۔'' جبریل نے اُسے سمجھایا تھا۔ وہ آدھ گھنٹہ اُس سے بحث کر کے اُسے قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ اجازت لئے بغیر بھی کوئی کام کر لینا غلط نہیں تھا۔ جبریل قائل نہیں ہوا۔ بالآخر ایرک نے ہار مان لی تھی اور اگلے دن ماں کی اجازت کے ساتھ آنے کا کہا تھا۔

امامہ کے لئے کیرولین کی فون کال ایک سرپرائز تھی۔ اُس نے بڑے خوش گوار انداز میں اُس سے بات چیت کرتے ہوئے امامہ کو اُس اجازت کے بارے میں بتایا تھا جو اُس نے ایرک کو دی تھی اور امامہ کچھ حیران رہ گئی تھی۔ اُسے ایرک اور جبریل کے درمیان اس حوالے سے ہونے والی گفت گو کا علم نہ تھا۔

''ممی مجھے یقین تھا وہ نہ اپنی ممی سے بات کرے گا نہ ہی وہ اُسے اجازت دیں گی''۔ جبریل نے ماں کے استفسار پر اُسے بتایا تھا۔ امامہ نے اُسے کیرولین کی کال کے بارے میں انفارم کیا تھا۔ ''لیکن اب اُس کی ممی نے مجھے کال کر کے کہا ہے کہ اُنہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' امامہ نے اُس سے کہا۔ ''تو اب کیا کریں؟'' ''کیا کرنا ہے۔'' وہ ہنس پڑا تھا۔ ''قرآن پاک سکھاؤں گا اُسے اب۔'' جبریل نے ماں سے کہا تھا۔ اُسے اپنے جواب پر امامہ کے چہرے پر خوشی نظر نہیں آئی۔ ''ممی میں حافظِ قرآن ہوں۔۔۔اگر کوئی مجھ سے قرآن پاک سکھانے کا کہے تو میں انکار نہیں کر سکتا۔ یہ آپ نے اور بابا نے ہی بتایا تھا مجھے''۔ جبریل نے بڑے پرسکون انداز میں ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''آپ کو پریشانی کس بات کی ہے۔ پہلے یہ تھی کہ اُس کی فیملی کو اعتراض نہ ہو لیکن اب تو اُس کی فیملی نے اجازت دے دی ہے پھر اب تو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہئے۔'' جبریل نے جیسے ماں کو کریدنے کی کوشش کی تھی۔ امامہ اُسے کہہ نہیں سکی کہ اُسے سارا مسئلہ عنایہ کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ قرآن پاک سیکھنے کی یہ خواہش اگر ایرک کی اُس خواہش کے بغیر سامنے آتی تو وہ کچھ اور تامل اور جھجک کا شکار ہوتی لیکن خوشی خوشی ایرک کو اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر قرآن پاک سیکھنے دیتی۔

''مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔۔جو بھی ہوتا ہے اللہ کی مرضی سے ہی ہوتا ہے اور ہم کچھ بھی بدلنے پر قادر نہیں ہیں۔ تو ٹھیک ہے ایرک تم سے قرآن پاک سیکھنا چاہتا ہے تو تم سکھاؤ اُسے''۔ امامہ نے بالآخر جیسے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

***

گیارہ سال کی عمر میں قرآن پاک سے ایرک کا وہ پہلا باقاعدہ تعارف تھا...... اس سے پہلے وہ صرف اس کتاب کا نام جانتا تھا......

وہ سالار اور امامہ کے گھر جا کر مسلمانوں سے قریب ہوا تھا اور جبریل کی General Knowledge کے حصّہ کے طور پر۔۔۔۔۔۔۔۔ تلاوت سُن سُن کر وہ قرآن پاک سے متاثر ہونا شروع ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ وہ زبان اور وہ تلاوت اسے جیسے کسی fantasy میں لے جاتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ لفظ ''ہیبت'' سے آشنا نہیں تھا۔۔۔۔۔ ہوتا تو شاید یہی استعمال کرتا اس کے لئے۔۔۔۔۔ جبریل کی آواز دلوں کو پگھلا دینے والی ہوتی تھی وہ خوش الحان نہیں تھا، وہ بلا کا خوش الحان تھا اور گیارہ سال کا وہ بچہ اُس زبان اور اُس کے مفہوم سے واقف ہوئے بغیر بھی صرف اُس کی آواز کے سحر میں گرفتار تھا۔

جس دن اُس نے جبریل سے قرآنی قاعدہ کا پہلا سبق لیا تھا، اُس رات اُس نے Online قرآن پاک کا پورا انگلش ترجمہ پڑھ لیا تھا۔ وہ کتابیں پڑھنے کا شوقین اور عادی تھا اور قرآن پاک کو اُس نے ایک کتاب ہی کی طرح پڑھا تھا۔۔۔۔۔ بہت ساری چیزوں کو سمجھتے ہوئے۔۔۔۔۔ بہت ساری چیزوں کو نہ سمجھتے ہوئے۔۔۔۔۔ بہت ساری باتوں سے متاثر ہوتے ہوئے۔۔۔۔۔ بہت سارے احکامات سے الجھتے ہوئے۔۔۔۔۔ بہت سارے جملوں کو ذہن نشین کرتے ہوئے۔۔۔۔۔ بہت سارے واقعات کو اپنی کتاب بائبل سے منسلک کرتے ہوئے۔

اُس نے بائبل بھی بہت اچھی طرح پڑھی تھی اور اُس نے قرآن پاک کو بھی اُسی لگن سے پڑھا تھا۔ اُس کی ماں کی یہ رائے ٹھیک تھی کہ ایرک کو جب ایک چیز کا شوق ہو جاتا تھا تو پھر وہ شوق نہیں جنون بن جاتا تھا لیکن اُس کی ماں کا یہ خیال بالکل غلط تھا کہ وہ ایک دو ہفتوں کے بعد خود ہی اپنے اس شوق سے بیزار ہو جانے والا تھا کیونکہ وہ متلون مزاج تھا۔

جبریل کو حیرت نہیں ہوئی تھی جب اگلے دن ایرک نے اُسے قرآنی قاعدہ کا سبق بالکل ٹھیک ٹھیک سنایا تھا۔۔۔۔۔ وہ بے حد ذہین تھا اور وہ اتنے سالوں سے اُس سے واقف ہونے کے بعد یہ تو جانتا تھا کہ ایرک کوئی بھی چیز آسانی سے بھلاتا نہیں تھا لیکن وہ یہ جان کر کچھ دیر خاموش ضرور ہو گیا تھا کہ ایرک نے ایک رات میں بیٹھ کر قرآن پاک کی translation ختم کر لی تھی۔

''اس کا فائدہ کیا ہوا؟'' جبریل نے اس سے پوچھا تھا۔ ''کس چیز کا۔۔۔۔۔؟؟ قرآن پاک پڑھنے کا؟'' ایرک نے اُس کے سوال کا جواب پوچھا۔ ''ہاں'' ایرک کو کوئی جواب نہیں سوجھا، اُس کا خیال تھا جبریل اُس سے متاثر ہوگا۔۔۔۔۔ وہ متاثر نہیں ہوا تھا اُلٹا اُس سے سوال کر دیا تھا۔

''فائدہ تو نہیں سوچا میں نے۔۔۔۔۔ میں نے تو بس curiosity میں پڑھا ہے قرآن پاک'' ایرک نے کندھے اُچکا کر کہا۔

''تو اب تمہاری کیا رائے ہے قرآن پاک کے بارے میں؟۔۔۔۔۔ اب بھی سیکھنا چاہتے ہو؟'' جبریل نے اس سے پوچھا، ''ہاں۔۔۔۔۔ اب اور بھی زیادہ'' ایرک نے کہا ''مجھے یہ بے حد interesting لگی ہے'' جبریل اس کی بات پر مسکرایا تھا وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے انسائیکلوپیڈیا کے بارے میں بات کر رہا ہو یا کسی اور مزیدار کتاب کے بارے میں جو وہ مکمل پڑھے بغیر نہیں رہ سکا ہو۔

''مقدس کتابوں کو صرف پڑھ لینا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی'' جبریل نے اُسے کہا تھا ''اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اُس پر عمل کرنا ضروری ہے'' ایرک اُس کو بغور دیکھتے ہوئے اُس کی بات سُن رہا تھا ''یہ میں جانتا ہوں'' اس نے کہا، وہ وہی بات تھی جو وہ اپنے ماں باپ سے بھی بہت بار سُن چکا تھا۔

اُس دن جبریل نے اُسے دوسرا سبق قرآنی قاعدہ کا نہیں دیا تھا۔۔۔۔۔ اُس نے اُسے دوسرا سبق اُسے ایک اچھا انسان بننے کے حوالے سے دیا

تھا۔

”کوئی بھی ایسی چیز جس کا تعلق اللہ سے ہے اور جو ہم سیکھتے ہیں تو پھر اُس دن ہمارے اندر دوسروں کے لئے کچھ زیادہ بہتری آنی چاہیے...... تاکہ یہ نظر آئے کہ ہم کوئی ”خاص چیز“ سیکھ رہے ہیں“ جبریل نے اُسے سمجھایا تھا۔ وہ تبلیغ کرنا نہیں چاہتا تھا اور مشکل کام تھا بھی یہی اپنے مذہب کا ڈنکا بجائے بغیر یہ سمجھا پانا کہ اسلام آخری مذہب کیوں تھا...... کامل ترین کیوں تھا۔“ وہ سارے subjects جو ہم سکول میں پڑھتے ہیں، اور جو ہم وہاں سیکھتے ہیں، وہ ہماری personality میں reflect نہیں ہوتے صرف تب ہمارے کام آتے ہیں جب ہمیں exam دینا ہو...... جاب کرنی ہو...... یا بزنس کرنا ہو...... لیکن کتابیں ہمیں باعلم بناتی ہیں......... practising (باعمل) نہیں......... باعمل ہمیں صرف وہ knowledgable کتاب بنا سکتی ہے...... جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف باعمل کرنے کے لئے بنائی ہے۔“ ایرک اُس کی بات بڑی توجہ سے سن رہا تھا بالکل ویسے ہی جیسے اس سے پہلے کوئی چیز سمجھا کرتا تھا۔

”بابا نے مجھ سے کہا تھا اگر ہم اچھے انسان نہ بن سکیں اور اپنے خاندان اور معاشرے کے لئے تکلیف کا باعث ہوں تو عبادت کرنے اور مذہب کے بارے میں پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ مذہب اور مذہبی کتابیں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک مقصد کے لئے اُتاریں کہ ہم اچھے انسان بن کر رہیں...... ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا خیال رکھیں، خاص طور پر اُن کا جو ہماری ذمہ داری ہیں...... جیسے تمہارے چھوٹے بہن بھائی اور تمہاری ممی تمہاری ذمہ داری ہیں...... تمہارا اپنا جسم اور ذہن تمہاری اپنی ذمہ داری ہے۔“ جبریل بڑی ذہانت سے گفت گو کو اُس موضوع کی طرف موڑ رہا تھا جس پر وہ ایرک سے بات کرنا چاہتا تھا اور ایرک یہ بات سمجھ رہا تھا، وہ چھوٹا تھا بے وقوف نہیں تھا...... وہ کہیں اور بیٹھا ہوتا تو کبھی اس موضوع پر کسی کو بات نہ کرنے دیتا وہ ان ایشوز کے حوالے سے اتنا ہی حساس تھا لیکن وہ اس گھر میں آکر کسی سے بھی کچھ بھی سُن لیتا تھا۔

”تو اب تم نے دیکھنا ہے کہ جس دن تم قرآن پاک پڑھ کر جاتے ہو...... اُس دن تمہارے اندر کیا تبدیلی آتی ہے...... اس دن تم اپنی فیملی کے لئے اور دوسروں کے لئے کیا اچھا کام کرتے ہو“ جبریل نے جیسے اسے چیلنج دیا تھا۔

”میں کوشش کروں گا“ ایرک نے وہ چیلنج قبول کر لیا تھا۔ ”تو آج میں گھر جا کر کیا کروں؟“ ایرک نے جیسے اُس کی مدد مانگی۔

”تم آج ایک ایسا کام مت کرنا جس سے تمہیں پتہ ہو کہ تمہاری ممی اپ سیٹ ہوتی ہیں۔“ جبریل نے اُس سے کہا تھا۔ ایرک کچھ خجل سا ہو گیا، اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا جبریل اتنے بے دھڑک انداز میں اُس کے بارے میں ایسی بات کہے گا۔

”تم مجھے عبداللہ کہا کرو“ ایرک نے جان بوجھ کر بات کا موضوع بدلنے کے لئے اسے ٹوکا ”عبداللہ تو اللہ کا بندہ ہوتا ہے...... سب سے kind سب سے زیادہ خیال رکھنے والا اور احساس کرنے والا...... کسی کو تکلیف نہ دینے والا، میں تمہیں عبداللہ تب کہنا شروع کروں گا جب تم سب سے پہلے اپنی ممی کو تکلیف دینا بند کر دو گے۔“ جبریل نے اس کی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ ایرک جیسے کچھ اور خجل ہوا...... ایک لمحہ کے لئے اسے لگا جیسے جبرل اسے جو کچھ کہہ رہا تھا وہ اُس کی ممی کے کہنے پر کہہ رہا تھا، لیکن وہ اُس سے بحث میں نہیں الجھا تھا، اُس نے خاموشی سے اُس کی بات مان لی تھی۔

اس دن ایرک نے گھر جا کر پہلی بار رالف کو greet کیا تھا...... کیرولین اور وہ دونوں سٹنگ ایریا میں بیٹھے فٹ بال میچ دیکھ رہے تھے...... رالف اور کیرولین کو ایک لمحہ کے لئے لگا شاید ایرک سے کچھ غلطی ہوئی تھی یا پھر انہیں وہم ہو رہا تھا...... اس نے پہلی بار رالف کو greet کیا تھا...... اور کیرولین اس بات پر شروع شروع میں اسے ڈھیروں بار ڈانٹ اور سمجھا چکی تھی، زچ ہو چکی تھی اور پھر اُس نے ایرک کو کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا...... ایرک اور رالف کے درمیان کبھی کوئی argument نہیں ہوا تھا لیکن رالف یہ جانتا تھا کہ وہ اُسے پسند نہیں کرتا اور اُس نے بھی ایرک کے ساتھ فاصلے کم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی...... اس کا خیال تھا اُن دونوں کے درمیان فاصلہ رہنا ہی بہتر تھا تا کہ لحاظ ختم نہ ہو لیکن وہ ذاتی حیثیت میں ایک اچھا سُلجھا ہوا آدمی تھا اور وہ ایرک کے حوالے سے کیرولین کی پریشانی کو بھی سمجھتا تھا۔

ایرک رُکے بغیر وہاں سے چلا گیا...... رالف اور کیرولین نے ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا "اس کو کیا ہوا؟" رالف نے جیسے کچھ خوشگوار حیرت کے ساتھ کہا تھا۔ "پتہ نہیں" کیرولین بھی کندھے اُچکائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

وہ پہلی تبدیلی نہیں تھی جو ایرک میں آئی تھی، وہ آہستہ آہستہ مزید تبدیل ہوتا گیا تھا...... ویسے ہی جیسے وہ پہلے ہوا کرتا تھا، قرآن پاک کا سبق ہفتہ میں دو دن کی بجائے اب وہ ہر روز لینے جایا کرتا تھا...... اگر کبھی جبریل یہ کام نہ کر سکتا تو حمین یا امامہ اُسے سبق پڑھا دیتے لیکن ایرک کو یہ اعتراف کرنے میں عار نہیں تھا کہ جیسے جبریل اُسے پڑھاتا تھا ویسے اور کوئی نہیں پڑھا سکتا تھا...... اُس کی آواز میں تاثیر تھی ایرک اُس سے پہلے بھی متاثر تھا لیکن اُس سے قرآن پاک پڑھنے کے دوران وہ اُس سے مزید attach ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اُس گھر میں ایرک کی جڑیں اب مزید گہری اور مضبوط ہو گئی تھیں...... امامہ کی تمام احتیاطوں کے باوجود۔

جبریل لوگوں کو نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں متاثر کرتا تھا، 13 سال کی عمر میں اُس کا ٹھہراؤ، اس کی عمر کے تمام بچوں کے برعکس تھا۔

سالار کی بیماری نے امامہ کے ساتھ ساتھ دس سال کی عمر میں اُسے بھی بدل دیا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ حساس اور اپنی فیملی کے بارے میں protective ہو گیا تھا یوں جیسے وہ اُس ہی کی ذمہ داری تھی اور سالار اور امامہ یقیناً خوش قسمت تھے کہ اُن کی سب سے بڑی اولاد میں ایسا احساسِ ذمہ داری تھا۔ اُس نے امریکہ میں سالار کی سرجری اور اُس کے بعد وہاں امامہ کے بھی وہیں قیام کے دوران اپنے تینوں چھوٹے بہن بھائیوں کی پرواہ کسی باپ ہی کی طرح کی تھی۔

سکندر عثمان اور طیبہ سالار کے بچوں کی تربیت سے پہلے بھی متاثر تھے لیکن ان کی غیر موجودگی میں جبریل نے جس طرح ان کے گھر پر اپنے بہن بھائیوں کا خیال رکھا تھا، وہ اُن کو مزید متاثر کر گیا تھا۔ امامہ نے اپنے بچوں سے کہا تھا کہ یہ ہمارا گھر نہیں ہے ہم یہاں مہمان ہیں اور مہمان کبھی میزبان کو شکایت کا موقع نہیں دیتے اور اُن چاروں نے ایسا ہی کیا تھا...... طیبہ اور سکندر کو کبھی ان چاروں بچوں کے حوالے سے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا نہ ہی اُنہیں ان کے حوالے سے کسی اضافی ذمہ داری کا احساس ہوا تھا۔

وہ تینوں ایسا ہر کام خود ہی کر لینے کی کوشش کرتے تھے اور رئیسہ کی ذمہ داری اُن تینوں نے آپس میں بانٹی ہوئی تھی کیوں کہ اُن چاروں میں سب سے زیادہ چھوٹی اور کسی حد تک اپنے کاموں کے لئے وہی dependent تھی۔

اپنے بہن بھائیوں کی ذمہ داریاں اس طرح اپنے سر پر لینے نے جبریل کو بہت بدلا تھا۔ایک دس سالہ بچہ کئی مہینے اپنا کھیل کود، اپنی سرگرمیاں بھلا بیٹھا تھا۔اور یہی وہ وقت تھا جب جبریل ذہنی طور پر بھی بدلتا چلا گیا تھا۔

13 سال کی عمر میں ہائی سکول سے distinction کے ساتھ پاس کر کے یونیورسٹی جانے والا وہ اپنے سکول کا پہلا سٹوڈنٹ تھا اور وہ یونیورسٹی صرف distinction کے ساتھ نہیں پہنچا تھا، وہ وہاں Bill Gates Foundation کے ایک سکالرشپ پر پہنچا تھا......وہ پہلی سیڑھی تھی جو میڈیسن کی طرف جاتے ہوئے اُس نے چڑھی تھی......سالار سکندر کے خاندان کا پہلا پرندہ یونیورسٹی پہنچ چکا تھا۔

☙☙☙☙☙☙☙

گرینڈ حیات ہوٹل کا بال روم اس وقت Scripps National Spelling Bee کے 93ویں مقابلے کے فائنلسٹس کا پہلا راؤنڈ منعقد کروانے کے لئے تیار تھا۔حمین سکندر اپنے ٹائٹل کا دفاع کر رہا تھا اور رئیسہ سالار اُس مقابلے میں پہلی بار حصہ لے رہی تھی۔وہ سالار سکندر کے گھر میں چوتھی ٹرافی لانے کے لئے پرجوش تھی......اور صرف وہی تھی جو پرجوش تھی۔گھر کے باقی افراد فکر مند تھے......اور اس پریشانی کی وجوہات دو تھیں......اگر وہ نہ جیت سکی تو؟......اور اگر حمین سکندر جیت گیا تو؟......

رئیسہ اس وقت سٹیج پر اپنے پہلے لفظ کے بولے جانے کے انتظار میں تھی۔

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)